ماہنامہ

"[illegible]

[illegible]

[illegible]"

[illegible]

[illegible]

ان شاء اللہ

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح

کا

پانچواں اجلاسِ عام

اواخر اکتوبر یا آغاز نومبر ۱۹۹۲ء میں مادرِ علمی

جامعۃ الفلاح میں منعقد ہوگا ـــ

اس موقع سے ایک سیمینار بعنوان "ملک و ملت کی تعمیر اور دینی مدارس" بھی منعقد ہوگا۔

تمام طلبہ قدیم سے شرکت کی پرخلوص درخواست ہے۔

ناظم اجلاس

(مولانا) رحمت الاثری فلاحی مدنی

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

جلد: ۷ جمادی الاخری و رجب ۱۴۱۲ھ شمارہ: ۱
جنوری ۱۹۹۲ء

مدیر مسئول	بدل اشتراک
نور محمد فلاحی	سالانہ زر تعاون: ۳۰ روپیے
مدیر	خصوصی تعاون: ۱۰۰ روپیے
محمد اسمٰعیل فلاحی	بیرون ممالک سے: ۲۰ امریکی ڈالر
معاون مدیر	قیمت فی شمارہ: ۳ روپیے
عبدالبر اثری فلاحی	

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔ لہٰذا چندہ جلد روانہ فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ترسیل زر کا پتہ:

دفتر ماہنامہ مجلہ "حیاتِ نو" جامعۃ الفلاح، بلریاگنج، اعظم گڈھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

ناشر: دانش آفسیٹ پریس، اندرہ، فیض آباد

نقوش حیات نو

صفحہ

• اداریہ
ہمارے ملک کا اصل روگ — محمد اسماعیل فلاحی — ۳

• بحث ونظر
مسلح جہاد کی شرطیں — مولانا صدر الدین اصلاحی — ۷

• دعوت و اصلاح کے میدان میں ، ترجمان القرآن کا کردار — ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی — ۲۰

کون برباد ہوا کس کا سہارا ٹوٹا — محمد ادریس فلاحی — ۲۶

• انٹرویو
اس راہ میں ناکامی کا سوال نہیں — مطیع الرحمٰن اختر — ۱۰

• تعلیم وتعلم
توجہ مطلوب ہے — عبد الباری فلاحی — ۳۵

• شعر و نغمہ
غزل — شفیع اللہ خاں راز — ۳۷

• تعارف وتبصرہ
ماہنامہ ، راہ اعتدال — مولانا محمد طاہر عمری مدنی — ۴۳

• اخبار علمیہ
اسلامی مخطوطات کے تحفظ کا عالمی منصوبہ ، اردو انسائیکلوپیڈیا … — زین العلم فلاحی — ۴۱

• اعلانیہ
اقدام امت کانفرنس کی قرار دادیں۔ — ۳۸

• جامعہ کے لیل و نہار
سالانہ امتحان ، وفد انجمن اقدام امت کانفرنس میں ، صدر ، ایس آئی او کا خطاب ۔ محمد اسماعیل فلاحی — ۴۵

اداریہ

محمد اسمٰعیل فلاحی

ہمارے ملک کا اصل روگ

سنہ ۱۹۹۱ء ختم ہوا۔ ہماری مہلت حیات کا ایک سال اور گھٹا ، ہماری کتاب زندگی کا ایک باب اور بند ہوا۔ اب ہم تینتالیسویں یوم جمہوریہ کا استقبال کرنے جا رہے ہیں۔ اس موقع پر ہمارے لئے مناسب ہوگا کہ ہم جائزہ لیں اور دیکھیں کہ سنہ ۱۹۵۰ء میں ہم نے اپنے لئے جو دستور مرتب کیا اور جو لائحۂ عمل تجویز کیا تھا ، اس نے ہمیں کیا دیا ، ہمارے مسائل کس حد تک حل ہوئے ، ہمیں کتنا سکون ملا ، ہمارا معاشرہ کتنا اوپر اٹھا ، کتنی خوشحالی آئی ، غربت کس حد تک دور ہوئی اور جہالت کا کہاں تک خاتمہ ہوا۔

امن و امان کسی ملک کا سب سے اہم مسئلہ ہوا کرتا ہے۔ لوگوں کی جان و مال کو کوئی خطرہ نہ ہو ، عزت و آبرو محفوظ ہوں ، لوگوں کو اپنے حکمرانوں پر اعتماد ہو اور وہ سکون و اطمینان کے ساتھ شب بسر کر سکیں۔ اس پہلو سے جب ہم اپنے ملک کا جائزہ لیتے ہیں تو بڑی ناگفتہ بہ حالت سامنے آتی ہے۔ امن و امان گویا اٹھ چکا ہے ، نظم و قانون کے رکھوالوں اور محافظوں پر بھی لوگوں کو اعتماد نہیں رہا۔ ان کے ظلم و بربریت کی داستانیں آئے دن ہم پڑھتے اور دیکھتے رہتے ہیں۔ گزشتہ ۱۲ ماہ کے دوران ہند میں ارتکاب جرم کی ایک لاکھ ۹۶ ہزار ۳۹۰ وارداتیں سامنے آئی ہیں ، جن میں ۸ ہزار افراد کا قتل بھی شامل ہے۔ یوپی میں اکتوبر سنہ ۱۹۹۰ء سے صرف ۱۸ دسمبر تک انتہا پسندوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۸۷ تک پہونچتی ہے ، اپریل سنہ ۱۹۹۰ء سے مارچ سنہ ۱۹۹۱ء تک یوپی ، ایم پی ، بہار ، آندھرا پردیش ، تامل ناڈو ، اڑیسہ اور گجرات میں درج فہرست ذاتوں اور قبائل سے تعلق رکھنے والے کم از کم ۵۰۹ افراد کے قتل کے علاوہ ۱۳۸ کی عصمت تار تار کر دی گئی۔ ان اعداد و شمار میں پنجاب ، کشمیر اور آسام وغیرہ کی بربریت کا خونچکاں تذکرہ نہیں ہے۔ یہاں کون سا دن ایسا گزرتا ہوگا اور کون سی ایسی رات آتی ہوگی جب درندگی اور بہیمیت کی دیوی عریاں رقص نہ کرتی ہو۔ راجیو گاندھی کے قتل

پر ہمارے اخبارات، سیاسی و ملی قائدین اور مذہبی رہنماؤں نے خوب خوب اظہار تعزیت کیا، انہیں بھی تکلیف ہوئی۔ یقیناً وہ ایک جرم تھا جو کیا گیا۔ اس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے لیکن کیا اس غریب کا خون خون نہیں ہے، کیا وہ لال نہیں ہوتا یا اس میں زندگی کی حرارت کم ہوتی ہے۔ جو آئے دن سڑکوں پر، گلیوں میں، ٹرینوں سے کھینچ کر، کسی پیر فرتوت کو بے سہارا کر کے، کسی ماں کی گود سے چھین کر اور کسی دوشیزہ کا سہاگ اجاڑ کر بڑی بے دردی سے بہا دیا جاتا ہے جس پر کوئی آنکھ نم نہیں ہوتی، کوئی آنسو نہیں بہتا اور اب تو ایسے افراد پیدا ہو رہے ہیں جن کے نزدیک ایسی بربریت نہ صرف جائز و مستحسن بلکہ ضروری ہے۔ گاندھی کے قاتل گوڈسے جیسے لوگ جن کی نگاہوں میں محبوب ہیں۔

شروع میں ہندو مسلم فسادات ہوتے تھے اور اب بھی ہوتے ہیں جن میں انسانیت اور شرافت کو سر عام ننگا کیا جاتا ہے لیکن اب یہ انھیں تک محدود نہیں ہے۔ نام نہاد اونچی ذات کے لوگ نیچی ذات والوں سے، نیچی ذات والے اونچی ذات والوں سے، ایک زبان والے دوسری زبان والوں سے، ایک ریاست کے باشندے دوسری ریاست کے باشندوں سے بری طرح برسرپیکار ہیں۔ تمل ناڈو اور کرناٹک کے درمیان کاویری کے پانی کا مسئلہ کس بات کا غماز ہے؟ کتنی جانیں گئیں؟ کتنے پناہ گزیں کیمپوں میں رہ رہے ہیں؟ ایل ٹی ٹی ای، الفا، خالصتانی تحریک، یہ سب کس بات کے غماز ہیں؟ پنجاب میں آگ کس نے لگائی؟ ہمارے حکمرانوں کے غلط طرز عمل نے پنجاب کو ہم سے اور دور کر دیا۔ کشمیر کا مسئلہ کس نے الجھایا؟ ہمیں بڑا اچھا موقع ملا تھا، ہم انھیں اپنا لیتے، ان کے درد کو اپنا درد سمجھتے لیکن ہم نے انھیں ان کے جائز حقوق نہیں دیئے۔ انھیں دبا کر رکھا، ان کی اپنی مرضی کی حکومت ان کی اپنی ریاست میں نہیں قائم ہونے دی اور اب جبکہ اس وادی گل پوش کے نوجوان سڑکوں پر نکل آئے ہیں ہم نے کلاشنکوف اٹھا لی ہے، ہماری گولیاں ہیں اور سامنے ان کے سینے۔ بندوق کی نال سے کیا مسائل حل ہو سکتے ہیں؟ وہ ہمارے اپنے نوجوان تھے۔ ہم نے گولیوں کے بجائے پیار و محبت سے ان کا دل جیتا ہوتا۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہم کشمیر ہار چکے۔ جوشی کی ایکتا یاترا کو ۲۶ جنوری ۱۹۹۲ء کو سری نگر میں ہندوستانی پرچم لہرانے کا کیا مطلب ہے جب کہ ہر سال وہاں یہ لہرایا جاتا ہے۔

آہ وہ کیا وقت تھا جب ہم ایک تھے، پھر دو لخت ہو گئے، دو سے پھر تین ہو گئے۔ وہ کتنا بڑا المیہ تھا جس نے ڈھاکہ میں علیحدگی کی تحریک کو ہوا دی۔ آج اس باد سموم کے گرم جھونکوں کا اثر ہے کہ ہمارے یہاں جگہ جگہ علیحدگی پسند تحریکیں اٹھ رہی ہیں۔

کسی ملک کا دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ روٹی، کپڑا، مکان اور علاج معالجہ کی سہولت سب کو میسر ہو۔ آج حال یہ ہے کہ ہر ہندوستانی بچہ جو پیدا ہوتا ہے وہ پیدائشی مقروض ہوتا ہے۔ بے شمار خاندان ایسے ہیں جو فٹ پاتھ پر اور جھگیوں میں پیدا ہوتے، پلتے بڑھتے، جوان ہوتے ہیں، وہیں شادی ہوتی ہے بچے ہوتے ہیں اور وہیں مر جاتے ہیں۔ دوسری جانب انھیں شہروں میں ایسے لوگ بھی بستے ہیں جو ایئر کنڈیشن کاروں میں گھومتے، ایئر کنڈیشن بنگلوں میں رہتے اور ان کے کتوں تک کے لیے وہ اہتمام ہوتا ہے، غریب کا بچہ جس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ کمر توڑ مہنگائی نے لوگوں کی قوت خرید چھین لی ہے۔ ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو غریبی کی سطح سے بھی نیچے زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

تعلیم کا حال یہ ہے کہ ۴۴ سال گزرنے کے بعد بھی ۶۵ فیصد افراد ناخواندہ ہیں اور عورتیں تو ۸۰ فیصد جاہل ہیں اور پھر ہمارے سیکولر تعلیمی اداروں کا حال یہ ہے کہ یہاں سے ڈگریوں کے حیوان تو پیدا ہوتے ہیں، انسان کم نکلتے ہیں۔

۱۹۸۹ء میں ایک جائزہ کے مطابق صرف گجرات میں بچے کی جنس کے ٹیسٹ کے بعد ۴۱ ہزار حمل ساقط کرائے گئے صرف اس وجہ سے کہ وہ لڑکیوں کا حمل تھا۔ بڑے شہروں کے اسپتال کے دروازوں پر لکھا ہوتا ہے ۵ سو خرچ کیجئے، ۵ لاکھ بعد میں بچائیے یعنی یہ کہ ۵ سو خرچ کر کے ابارشن کرائیے اور اس طرح بچی کی پیدائش سے بچ کر ۵ لاکھ بچا لیجئے۔ بمبئی میں ۴۰ ہزار اسقاط حمل کے واقعات روشنی میں آئے ہیں۔ ان دواخانوں میں جا کر یہ "کارنامہ" انجام دینے والے جاہل نہیں ہوتے بلکہ یہی "پڑھے لکھے" لوگ ہوتے ہیں جو عورتوں کے غم میں گھلے جاتے اور انھیں معاشرہ میں باعزت مقام دینے" اور ان کی آزادی کا نعرہ لگانے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ ہمارے نظام تعلیم کی ناکامی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ کل تک بیلٹ کے ذریعہ انتخاب ہوتا تھا اور آج پڑھے لکھے لوگ بلٹ کے ذریعہ انتخاب جیتتے ہیں۔ پارلیمنٹ میں

گفتگو کے بجائے ہاتھا پائی کرتے اور کرسیاں اچھالتے نظر آتے ہیں اور کرسیوں پر بیٹھ کر رشوت لیتے، شراب کی بوتلیں چڑھاتے اور ملکی راز بیچتے ملتے ہیں۔

یہ حقائق ہیں۔ ان کا مواجہہ کرنے سے ہمیں گھبرانا یا گریز کرنا نہیں چاہیے۔ دراصل یہ ہماری بیماریاں ہیں، انھیں جرأت کے ساتھ حقیقت پسندانہ طور پر تسلیم کرنا چاہیے۔ بیماری کو بیماری تسلیم نہ کرنا اور اس کے علاج کے لیے صحیح تشخیص نہ کرنا دانشمندی نہیں ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم آج تک بیماری کو بیماری سمجھ ہی نہیں پائے۔ ہم نے علاج کی بعض کوششیں کیں، نئے نئے قوانین بنائے لیکن ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ہماری اصل بیماری یہ ہے کہ ہم نے خدائی ہدایت سے منہ موڑ لیا ہے۔ پیدا کرنے والے سے پوچھے بغیر، ہم نے اپنے لئے خود سے قانون سازی کی، دستور بنایا، جس میں ہم نے ٹھوکریں کھائیں، افراط و تفریط کا شکار ہوئے۔ پیدا کرنے والا اپنی مخلوق کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے لئے کیا مناسب ہے اور کیا نامناسب، اسکی فطرت اور مزاج سے کیا چیز ہم آہنگ ہے اور کیا چیز نہیں۔ وہ اپنی مخلوق کا بدخواہ نہیں ہو سکتا، اس کا برا نہیں چاہ سکتا، اس سے رشتہ جوڑے بغیر ہماری بیماریاں ختم نہیں ہو سکتیں۔ سوویت یونین نے خدائی ہدایت سے بے نیاز ہو کر چلنا چاہا، انجام ہمارے سامنے ہے۔ خدائی ہدایت سے بے نیاز امریکہ بھی اپنے آخری سانسیں گن رہا ہے۔ اسلام کی شکل میں ہمارے سامنے خدائی ہدایت نامہ موجود ہے۔ اس معاملہ میں تعصب سے کام لینا خود اپنی موت کو دعوت دینا اور اپنی قبر آپ کھودنا ہے۔ ہمیں کھلے ذہن اور کھلے دماغ سے اس کا مطالعہ کرنا چاہیے، اس نے ماضی میں انسانی معاشرہ کے مسائل حل کئے ہیں۔ لڑتے مرتے لوگوں کو شیر و شکر بنایا ہے، انسانی معاشرہ کو اونچا اٹھایا ہے، آسمان سے بھی اونچا۔ ایسی خوش حالی اور ایسا سکون عطا کیا کہ بس اللہ اللہ! یہ افسانہ نہیں، تاریخ کی مسلم حقیقت ہے۔ اسلام زندگی کا ایک خاص تصور دیتا ہے۔ اس کی رو سے انسان آزاد نہیں ہے، وہ اپنے پیدا کرنے والے کے آگے جوابدہ ہے، مرنے کے بعد وہ اس سے پوچھے گا کہ اس نے اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزاری یا من مانی کی۔ من مانی کرنے والوں کو سزا دے گا۔ ہمیشہ کے لئے آگ میں جھونک دے گا اور اس کی مرضی کا خیال

بقیہ صفحہ ۴۳ پر

مولانا صدرالدین اصلاحی

مسلح جہاد کی شرطیں

مسلح جہاد کی شرطیں

مسلح جہاد، خواہ وہ اقدامی ہو خواہ دفاعی، ہر حال میں نہیں کیا جا سکتا، صرف خاص حالات ہی میں کیا جا سکتا ہے۔ یعنی اس کے لئے کچھ ضروری شرطیں ہیں۔ جب تک یہ شرطیں پوری نہیں ہو رہی ہوں، وہ کسی طرح صحیح نہ ہوگا، اور نہ صرف یہ کہ ایسے 'جہاد' کی کوئی قدر و قیمت نہ ہوگی، بلکہ وہ سرے سے جہاد ہی نہ ہوگا، اور کسی اجر و ثواب کے بجائے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن جائے گا۔

یہ شرطیں حسب ذیل ہیں:-

(۱) جہاد کرنے والے مسلمان آزاد اور خود مختار ہوں اور ان کا اپنا ایک باضابطہ اجتماعی نظام قائم ہو اور ایک خلیفہ یا امیر ان کا سربراہ ہو۔ بغیر اس آزاد اجتماعی نظم کے کوئی جنگی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ جنگی اقدام، خواہ وہ دفاعی نوعیت کا ہی کیوں نہ ہو، ایک آزاد ماحول میں اور ایک با اختیار امیر کی سرکردگی ہی میں کیا جا سکتا ہے [1]۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ کی مغلوبانہ زندگی میں اپنے دفاع کے لئے بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی، حالانکہ قریش کے مظالم اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ یہ اجازت ہجرت کے بعد اور مدینے کا آزاد ماحول میسر آنے کے بعد ہی مل

[1] اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی ملک کے مسلمان اگر آزاد اور خود مختار نہ ہوں اور ان پر تشدد کیا جاتا ہو تو وہ اس تشدد کی مدافعت بھی نہیں کر سکتے۔ کسی ظالم کے ظلم کا مقابلہ کرنا بجائے خود کار ثواب ہے، اور اگر اس میں خود حفاظتی مقابلے میں کوئی مسلمان مارا جائے تو وہ بھی اللہ کے نزدیک شہید کا درجہ پائے گا (مَنْ قُتِلَ دُوْنَ مَالِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ وَمَنْ قُتِلَ دُوْنَ اَھْلِہٖ اَوْ دُوْنَ دَمِہٖ اَوْ دُوْنَ دِیْنِہٖ فَھُوَ شَھِیْدٌ۔ ابوداؤد جلد دوم) مگر ظاہر ہے جس اصطلاحی جہاد و قتال کی یہاں گفتگو ہو رہی ہے وہ اور چیز ہے، اور اپنی جان و مال کے بچاؤ کے لئے ظالموں اور حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا بالکل دوسری چیز ہے۔ (ص)

سکی، جہاں آپؐ کے زیرِ قیادت باضابطہ اسلامی اسٹیٹ قائم ہو چکا تھا۔ یہی حال ان تمام انبیاءؑ کا رہا جن کی دعوت مسلح جہاد کے مرحلے میں داخل ہو سکتی تھی۔

جب تک یہ شرط پوری نہیں ہو جاتی اس وقت تک دین کی خاطر پہنچائی جانے والی تکلیفوں کا برداشت کرنا ہی اصل جہاد ہے۔

(۲) مخالف قوتوں سے لڑنے کے لئے ضروری طاقت میسر ہو۔ کیونکہ شریعت نے اپنی پیروی کے سلسلے میں جابجا یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ:-

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۔[۱] کسی شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق ہی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے۔

چنانچہ اسی اصول کے مطابق اس نے یہ ارشاد بھی فرمایا ہے:-

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ[۲] اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو جس قدر تمہارے بس میں ہو

اس لئے جب تک دشمن سے لڑنے کے لئے ضروری طاقت موجود نہ ہو، جہاد کرنے کی ذمہ داری بھی مسلمانوں پر عائد نہ ہوگی۔

(۳) یہ جہاد و قتال خالصۃً "فی سبیل اللہ" ہو۔ لڑنے والے مسلمان صرف دین کی خاطر اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے لڑ رہے ہوں، بدی اور ظلم کو مٹانا اور نیکی اور انصاف کو فروغ دینا ہی ان کا مقصد ہو۔ اور یہ سب کچھ بھی صرف اس لیے ہو کہ ان کا اللہ ان سے راضی ہو جائے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا مقصد اور محرک اس جنگ کے پیچھے کام نہ کر رہا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ "ایک شخص مالِ غنیمت کے لیے لڑتا ہے، دوسرا شہرت کے لئے اور تیسرا دکھاوے کیلئے لڑتا ہے، ان میں سے کس کی لڑائی فی سبیل اللہ ہے"؟ آپؐ نے فرمایا:-

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا جو شخص صرف اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے لڑتا

فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ[۳] ہے، بس اسی کا لڑنا فی سبیل اللہ ہوتا ہے

ایک اور موقع پر کسی نے پوچھا "اے اللہ کے رسولؐ! ایک شخص ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے، لیکن ساتھ ہی دنیا کا کوئی مفاد بھی اس کے پیشِ نظر ہے، اس کی بابت حضورؐ کیا

---

[۱] سورۂ بقرہ ۲۸۶ ـ [۲] سورۂ تغابن ۱۶ ـ [۳] بخاری جلد اول باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا۔

فرماتے ہیں؟" ارشاد ہوا "لَا اَجْرَ لَهٗ"۔ (اسے کوئی اجر نہ ملے گا) پوچھنے والے نے تین بار یہی سوال کیا، اور حضورؐ نے تینوں بار یہی جواب دیا۔ (ابوداؤد، جلد اول، باب فی من یغزو و یلتمس الدنیا۔)

اسی طرح آپؐ نے اصولی حیثیت سے یہ اعلان فرما رکھا ہے کہ:-

..... لَيْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِيَّةً ..... نہیں ہے ہم میں سے وہ جو کسی عصبیت

وَلَيْسَ مِنَّا مَنْ مَاتَ عَلٰى کے تحت لڑے، اور نہیں ہے ہم میں سے وہ جو

عَصَبِيَّةٍ ۔ (ابوداؤد، جلد دوم، باب فی العصبیۃ) کسی عصبیت کی بنا پر جان دے۔

پہلی دو شرطوں کی ضرورت تو بالکل واضح ہے۔ لیکن اس تیسری شرط کی ضرورت سمجھنے کے لئے تھوڑا سا غور کرنا پڑے گا۔ اسلام نے لڑائی کا حکم برائی اور فتنے کے مٹانے اور نیکی و خدا پرستی کے قائم کرنے کے لئے دیا ہے، جیسا کہ اوپر تفصیل سے معلوم ہو چکا۔ تو کیا وہ لوگ جو خود اپنے اندر غلط جذبات پال رہے ہوں اور ان ہی جذبات کے تحت لڑ رہے ہوں، وہ اپنی لڑائی کے نتیجہ میں نیکی اور خدا پرستی کو فروغ دے سکیں گے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ ایسے لوگ تو جو کچھ کریں گے وہ صرف یہ ہوگا کہ ایک برائی کی جگہ دوسری برائی کو لا کر نصب کر دیں۔ اور یہ بات نہ صرف یہ کہ اسلام کی کوئی خدمت نہیں، بلکہ الٹی اس کی عداوت ہے۔ کیونکہ ایسے لوگ برائی کا یہ کھیل اسلام کے نام پر کھیلیں گے۔ جس کے نتیجہ میں اللہ کی مخلوق اسلام سے کچھ اور دور ہی ہو جائے گی۔

بقیہ ص — **ترجمان القرآن**

لطیف طنز اور زبان و بیان کے محاسن پوری طرح موجود ہیں۔ اور انھیں پورے اعتماد کے ساتھ مروجہ ادبی تخلیقات کے دوش بدوش رکھا جا سکتا ہے۔

حاصل بحث کے طور پر مشہور ادیب ابوالخیر کشفی کا یہ بیان مستعار لے کر میں اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ

مولانا مودودی کی تحریروں نے اردو کے اسلامی ادب میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔[۱]

---

[۱] مضمون "مولانا مودودی کی ادبی حیثیت" از ابوالخیر کشفی در کتاب "ادبیاتِ مودودی" از خورشید احمد ص ۱۹۵

مطیع الرحمان احقر، ایم، اے

اس راہ میں ناکامی کا سوال نہیں

> پچھلے آل انڈیا اجتماع جماعت اسلامی ہند منعقدہ حیدرآباد ١٩٨١ء کے موقع پر جماعت اسلامی ہند کے متعدد قائدین اور علمائے کرام کی خدمت میں ایک سوالنامہ بھیجا گیا تھا اور ان سے جوابات حاصل کئے گئے تھے اس سوال نامہ کا جو جواب جناب مطیع الرحمان احقر صاحب مرحوم ایم اے نے دیا تھا اسے ہم "یادگار مجلہ بموقع چھٹا آل انڈیا اجتماع جماعت اسلامی ہند" سے نذر قارئین کر رہے ہیں۔

سوال نامہ:۔

(۱) اسلام کو ایک تحریک کن معنی میں کہا جاتا ہے؟ اسلام کے تاریخی عمل اور اس کی تحریکیت میں کس نوعیت کا ربط ہے؟

(۲) تحریک اسلامی میں عملیت (PRAGMATISM) کا کیا مقام ہے؟

(۳) یہ بات کہاں تک صحیح ہے کہ "ماضی قریب و بعید میں اکثر اسلامی تحریکات محض مناسب و مبسوط حکمت عملی (STRATEGY) کے اختیار نہ کرنے کی وجہ بار آور نہ ہو سکیں"۔

(۴) کیا یہ بات صحیح نہیں ہے "مظلوم و محکوم قوتوں کی نشاندہی و تحریک اسلامی حکمت عملی کا ایک اہم جزو رہی ہے اور آج کے دور میں اس جزو کو نظر انداز کیا گیا ہے"؟

(۵) ہندوستان میں اسلام کو پیش آنے والے حالات اور مسائل ملکی سطح پر عموماً اور آپ کی ریاست اور علاقے کے باشندوں کے مخصوص عقائد، احوال و رجحانات کی روشنی میں خصوصاً کیا ہیں؟

(۶) کیا یہ خیال درست ہے کہ اسلام کی تاریخ میں ہندوستان کا موجودہ حال (SITUATION)

اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد (UNIQUE) ہے؟ اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کیا اقدامات ضروری ہیں؟

(۷) آئندہ برصغیر میں اسلام کے بحیثیت ایک اجتماعی نظریہ و نظام غالب آنے کے کیا امکانات ہیں؟

(۸) تحریک اسلامی کے ہندوستانی عوام میں نفوذ کی راہیں کیا ہیں؟

(۹) برصغیر و عالم اسلام میں تحریک اسلامی کے ارتقاء میں جماعت اسلامی کا کیا رول ہے؟

(۱۰) کل ہند اجتماعات کا نظریاتی و تحریکی پس منظر، مرکزی خیال (CENTRAL THEME) اور ان کے مطلوبہ اغراض و مقاصد کیا رہے ہیں اور آئندہ کیا ہونے چاہییں؟

(۱۱) حیدرآباد میں جماعت اسلامی ہند کے چھٹے اجتماع سے جماعتی و تحریکی استحکام و توسیع و ترقی امکانات کے سلسلے میں آپ کی توقعات کیا ہیں؟

(۱۲) کارکنان جماعت اسلامی پر تحریک، فکر و عمل کے لئے مجوزہ کل ہند اجتماع کا ممکنہ و متوقع اثر کیا ہو سکتا ہے؟

(۱۳) عالمی، اسلامی اور دیگر ملکی و بین الاقوامی تحریکات پر مجوزہ کل ہند اجتماع سے مرتب ہونے والے ممکنہ اثرات اور ان اثرات کے مثبت طور پر واقع ہونے کی امکانی صورتیں کیا ہو سکتی ہیں؟

(۱۴) کچھ آپ کے تحریکی حالات و تجربات کے بارے میں:۔

(i) آپ کی تحریکی وابستگی کا سنہ آغاز؟

(ii) اسلام کے کس پہلو نے، کون سی شخصیت اور اس کی زندگی کے کون سے رخ نے کون سی کتاب کے مطالعہ اور کون سے جماعتی و تحریکی حالات و واقعات نے آپ کی زندگی پر نمایاں اثرات ڈالے؟

(iii) تحریکی جدوجہد میں آپ کی مساعی و تجربات؟

(iv) آئندہ عزائم و منصوبے؟

(v) رفقائے جماعت اور تحریکی ساتھیوں کے نام آپ کا پیام؟

جواب:-

(۱) اسلام چند مرسومات و رسومات کا نام نہیں ہے بلکہ یہ ایک انقلاب آفریں پیغام ہے جو انسان کے عقائد، ایمان اور اعمال کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھال کر زندگی کے ہر گوشے کو منور اور تابناک بنا دیتا ہے۔ اس کی بنا توحید، رسالت اور آخرت پر استوار ہے۔ روزِ آفرینش سے آج تک یہ انقلاب بار بار آتا رہا ہے اور مظلوم انسانیت کے دکھ درد کا مداوا کرتا رہا ہے۔ تعصب اور ہٹ دھرمی کی عینک کو اتار کر انقلابات کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ اسلام ہی وہ مکمل تحریک ہے جو انسانی زندگی میں خوشگوار تبدیلیاں پیدا کر کے ایسے معاشرہ اور پھر ایسی مملکت کی تشکیل کا باعث بنتی رہی ہے جس کے حدود اربعہ میں نہ کر استحصال (Exploitation) باہمی آویزش (Confrontation) اور جور و مظالم (Oppression) کا سد باب کما حقہ ہوتا رہا ہے ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ اسلام مصاحب بن کر نہیں بلکہ صاحب بن کر جمود کی نشانی نہیں بلکہ ولولہ انگیز تحریک بن کر اور کفر و فسق اور ظلم و طغیان سے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ٹمٹماتا ہوا چراغ نہیں بلکہ مینارۂ نور بن کر رہنے آیا ہے۔ اس معنی اور مفہوم میں ہم اسلام کو زندگی، ولولے اور امنگوں سے بھرپور تحریک کہتے ہیں جس کے اصول کو اپنا کر حیاتِ انسانی میں سرتاسر ایسی تبدیلی رونما ہوتی ہے جو انسانوں کے لئے مطلوب اور محمود ہے۔ محترم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ نے جماعت اسلامی کے اجتماع اول منعقدہ ۲۵ اگست ۱۹۴۱ء م ۲ شعبان ۱۳۶۰ھ کو رفقائے جماعت کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ "دین کو تحریک کی شکل میں جاری کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری زندگی میں دینداری محض ایک انفرادی رویہ کی صورت میں جامد و ساکن ہو کر نہ رہ جائے بلکہ ہم اجتماعی صورت میں نظامِ دین کو عملاً نافذ و قائم کرنے اور مانع و مزاحم قوتوں کو اس کے راستے سے ہٹانے کے لئے جدوجہد بھی کریں۔ جزوی تحریکیں بہت سی رہی ہیں، ہیں اور پیدا ہوتی رہیں گی مگر مکمل تحریک جو مہد سے لحد تک کی زندگی میں ہی نہیں بلکہ سرحدِ موت سے پرے کنارِ آخرت کی زندگی میں بھی انقلاب ہی نہیں بلکہ صالح انقلاب پیدا کرتی ہے وہ واحد تحریک اسلام ہے۔ دنیا کی ابتداء ہی اسلام کی روشنی میں ہوئی ہے۔ باطل نظریات کو رد اور پامال کرتے ہوئے اسلام کے علمبردار تاریخ کے ہر دور میں اس تحریک کو آگے بڑھانے کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں اور وہ بھی

اس شان سے کہ دنیوی کامیابیوں اور ناکامیوں نے نہ انہیں آپے سے باہر کیا اور نہ یاس و قنوط کا وہ شکار ہوئے۔ وہ تو صرف اس تحریک کے برپا کرنے والے آقا کے اس حکم پر کاربند رہ کر ہمیشہ تازہ دم رہے اور انشاء اللہ تا قیامِ قیامت کاربند رہیں گے کہ لیظہرہ علی الدین کلہ۔ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دو، ولو کرہ المشرکون۔ چاہے اس تحریک کے مخالفین کتنا ہی برا مانیں یعنی بیمار کو صحت بخش دوا پلاتے چلے جاؤ خواہ اس کی بظاہر کڑواہٹ سے اس کے چہرے پر کتنی ہی شکنیں ابھرتی اور ڈوبتی رہیں۔ اسلام کی تحریکیت کبھی اپنی معنویت نہیں کھوتی اور ہمیشہ جاں زندہ و پائندہ رہتی ہے۔ یہ بالکل دوسری بات ہے کہ اس تحریک کے وابستگان پر اضمحلال بھی طاری ہوتا رہا ہے جس کے اسباب کو انّ الشیطان للانسان عدو مبین کو سامنے رکھ کر معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ اسلام اب منجمد نہیں، آب رواں ہے، اچھلتا، کودتا، رواں دواں۔ وادیوں کو سرسبز و شاداب کرتا ہوا۔

۲۔ تحریک اسلامی ہمارے پورے وجود پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ صرف مابعد الطبیعاتی مسائل کی نشاندہی کرتی اور اس کا حل پیش کرتی ہے۔ بلکہ ہماری زندگی کے تمام مسائل سے بحث کرتی اور ان کا ایسا حل پیش کرتی ہے جو ہماری ضروریاتِ زندگی کے لئے ناگزیر ہے۔ یہ تحریک سرتاسر عملی تحریک ہے اس کی عملیت کا اندازہ کرنے کے لئے اس تحریک کی تاریخ کا مطالعہ کافی ہوگا۔ جب جب اس تحریک کو برپا کر کے اسلامی نظامِ حیات کو نافذ کیا گیا تو انسانوں کے مختلف مسائل اسلامی اصولوں کے مطابق حل ہو گئے۔ اسی تحریک کے نتیجہ میں جب مدینہ میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا تو انوکھے طرز اور نئے انداز پر زندگی کا ہر چھوٹا بڑا مسئلہ حل کیا گیا جو تاریخی حقیقت ہے اور اس کے لئے کسی ثبوت کی علاحدہ سے ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ تحریک صرف اقتصاد اور معاش اور جنس کے مسائل ہی کے لئے عملی حل نہیں رکھتی بلکہ فطرت کے تمام داعیات کی تسکین کے لئے بحسن و خوبی ایسے اصول فراہم کرتی ہے جو انسان کو حیوانِ ناطق سمجھنے والے کے منہ پر زناٹے دار طمانچہ رسید کرتے رہتے ہیں۔ اس تحریک کی عملیت کا یہ حال ہے کہ آج بھی جس جس مملکت میں جزوی طور پر ہی سہی اس کے اصول و ضوابط کو نافذ کیا جا رہا ہے وہاں وہاں منکرات دب رہی ہیں اور معروفات پروان چڑھ رہی ہیں۔

۴۔ یہ بہت معروف بات ہے کہ ہر تحریک کا اپنا خاص مزاج اور مخصوص اصول وضوابط ہوتے ہیں۔ اسلامی تحریک کو اچھی طرح سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے صرف سنی سنائی باتوں پر انحصار نہیں کیا جا سکتا اس کے لئے ناگزیر ہے کہ قرآن عظیم اور احادیث رسول ﷺ کا مطالعہ کیا جائے اور ان پر غور و فکر کیا جائے اور مستند کتب سیرت کو بار بار پڑھا جائے اور سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ تحریک اسلامی کو برپا کرنے کے لئے حالات اور ظروف کے مطابق مناسب اور صحیح حکمت عملی کا کیا سبق ہم کو ملتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بتلا دیا ہے کہ: اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (اے نبی اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔ النحل) اب اگر ہم حکمت اور موعظت کا پورا پورا حق ادا کریں اور تحریک کے بارآور ہونے کی بھی آرزو کرتے رہیں تو ظاہر ہے کہ اس راہ میں ہم کتنی دیر تک ٹک سکیں گے۔ رہی یہ بات کہ ماضی قریب اور بعید میں اکثر اسلامی تحریکات محض مناسب و مبسوط حکمت عملی کے اختیار نہ کرنے کی وجہ سے بارآور نہ ہو سکیں تو اس سے میں اتفاق نہیں کر سکتا کیونکہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ مناسب حکمت عملی اختیار کرنے والے تحریک اسلامی کو بارآور متشکل دیکھیں۔ تحریک اسلامی کی راہ میں کامیابی اور ناکامی کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ اس راہ میں دو قدم چل کر دم توڑ دینے والا اور منزل پر پہنچ جانے والا دونوں کامیاب ہیں۔ رہا اس تحریک کے بارآور ہونے کا معاملہ تو یہ اس تحریک کے وابستگان کی ذمہ داری ہی نہیں ہے خواہ مخواہ کی ذمہ داری اپنے سر لینے کا نتیجہ ہی جمود اور یاس کی شکل میں ہم اپنی صف میں دیکھا کرتے ہیں۔ گزشتہ تجربات سے یقیناً استفادہ کرتے ہوئے مسلسل جدوجہد میں مصروف رہنا چاہیئے اور جن عوامل کو ترک اور جن کو اختیار کرکے ہمارے پیش رو اقدام کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہے ہیں ان کو روبعمل لانے کی پیہم کوشش از بس ضروری ہے۔ ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ یہ تحریک اسلامی کبھی ناکام ہوئی ہے اور نہ اس کے مخلص کارکن۔ البتہ مسلسل ناکام وہ ہوئے ہیں۔۔ جنہوں نے اس تحریک کی مزاحمت کی یا وہ وابستگان تحریک جن میں مداہنت پیدا ہوئی یا جو تحریک کو بارآور ہوتا ہوا نہ دیکھ کر تحریک ہی سے منہ موڑ گئے۔ البتہ اس تحریک کے کارکنوں کو اور عام لوگوں کو رہبانیت اور مروجہ تصوف کی چاٹ سے بچانے کی مسلسل جدوجہد جاری رہنی چاہیئے۔

۵۔ یہ تحریک تو وہ ہے جس کو اپنا کر ہی دین و دنیا کی فلاح ہو سکتی ہے لیکن یہ کام ہے

بڑی بردباری کا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی راہ میں مخالفتیں، مزاحمتیں اور رکاوٹیں بھی ہے۔ ملک میں حکومت وقت نیک نیتی کے ساتھ اگر اس تحریک کو سمجھنے کی کوشش کرے تو اس کو اس کی راہ روکنے کی کوئی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ آخر کمیونزم سے وابستہ لوگوں کو آزادی کیوں ملی ہوئی ہے کہ وہ اپنے اصول اور طریقہ کار کے مطابق پر امن طریقے پر طرز حکومت کو بدلنے کی کوشش کرتے رہیں۔ بلکہ حال تو یہ ہے کہ اس ازم کے بعض فرقے تشدد کا طریقہ کھلے عام اختیار کر رہے ہیں اور بعض انتشار اور غلط فہمیاں پیدا کرکے حکومت کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اربابِ حکومت اس تحریک کے معاملہ میں جان بوجھ کر اس تحریک کو بدنام کرنا چاہتے ہیں کہ چونکہ اس کے چلانے والے مسلمان ہی ہیں۔ لہٰذا یہ فرقہ پرست جماعت ہے کاش! یہ علم و دانش والے جاہ پرستی اور خود پرستی کی سطح سے کچھ بھی اوپر اٹھنا گوارا کرتے تو دیکھتے کہ ملک و ملت کے لئے تحریک اسلامی کتنی بیش بہا متاع ہے جسے یہ نظر انداز کر رہے ہیں اور ہندو قوم پرستی کے مقابلے میں اسے محاذ آرا کرانے کی کوشش میں کس طرح یہ اپنی بچی کھچی اخلاقی حس کو بے دردی سے مسخ کر رہے ہیں۔ حاصل یہ کہ موجودہ صورتحال ہے اس کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ اس تحریک کے تئیں حکومت کا رویہ سخت رہے گا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور ہو۔

منتظر رہ گذارِ الفت میں ÷ قید رہتی ہے دار رہتا ہے (راقم)

عام مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے روشناس کرانے کی آج کے دور میں بڑی ضرورت ہے۔ ان کے مٹھی بھر خوشحال لوگوں اور تعلیم یافتہ حضرات کو چھوڑ کر اکثر کا حال یہ ہے کہ اسلام کے نام پر بدکردار پیر اور آخرت کی جوابدہی سے لاپرواہ مولوی ان کا استحصال کر رہا ہے۔ ان کو تھپکیاں دے دے کر سلایا جا رہا ہے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو وہ ٹھیک ہے۔ صرف سالانہ نذرانۂ عقیدت اللہ کے نام پر میرے حضور پیش کر دیا کرو۔ تبلیغ کے نام پر بھی انہیں دھوکہ دیا جا رہا ہے کہ تم نماز پڑھ لیا کرو، جھوم جھوم کر تسبیح پڑھ لیا کرو، کبھی کبھار چلے دے دیا کرو پھر اپنے کام میں مست رہا کرو، جنت کا ٹکٹ تم کو مل چکا۔ اس قسم کے مذہبی لوگ تحریک اسلامی کے سخت مخالف اور معاند ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ دین کے یہ علمبردار لوگوں کو تعلیم دیا کرتے ہیں کہ تحریک اسلامی والے دین سے بھٹکے ہوئے لوگ ہیں۔ یہ صحابہ

کی توہین کرتے ہیں اور بزرگانِ دین کی تو ان کے نزدیک کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ تشدد پر اتر آتے ہیں تو مسجدوں میں تحریکِ اسلامی کی طرف سے منعقدہ اجتماعات اور درسِ قرآن تک کو بزور روک دیتے ہیں۔ یہ الزامِ مسلم کا ڈھنڈورا پیٹنے والے صرف یہی نہیں کہ تحریکی لٹریچر اور تفہیم القرآن کے مطالعہ سے لوگوں کو روکتے ہیں بلکہ تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کے ساتھ ان کا رویّہ "ہاں" اور "نہیں" کے درمیان معلق رہتا ہے۔ تحریکِ اسلامی کی راہ میں ایسے حضرات بھی بڑی رکاوٹ ہیں اور مسلمانوں کا وہ طبقہ جو قبر پرستی کے مرض میں مبتلا ہو گیا ہے وہ بھی تحریکِ اسلامی کی راہ میں حائل ہے۔

۹۔ موجودہ دور میں اگر یہ کہا جائے کہ پوری دنیا اسلام کی طرف کسی نہ کسی حیثیت سے متوجہ ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ دنیا کی بات تو چھوڑیئے جماعتِ اسلامی کے کارکنوں کا آئے دن کا تجربہ ہے کہ جب اسلام کے متعلق غیر مسلموں سے گفتگو ہوتی ہے یا انہیں لٹریچر پڑھنے کے لیے دیا جاتا ہے تو بڑے ذوق و شوق سے وہ باتیں بھی سنتے ہیں اور مطالعہ بھی کرتے ہیں اور اپنے تاثرات اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اسلام اگر یہی ہے جو آپ کہہ رہے ہیں یا لٹریچر بتلا رہا ہے تو یہ قابلِ قبول دھرم ہے لیکن مسلمانوں کا عمل ایسا نہیں ہے بلکہ اس کی نفی کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر عمل کی زبان میں تحریکِ اسلامی کا خاموش تعارف بڑے پیمانہ پر کیا جا سکے تو توقع رکھنی چاہیے کہ جلد یا بدیر غیر مسلم بھائیوں کا رخ کفر سے اسلام کی طرف پھیرا جا سکے گا اور یدخلون فی دین اللّٰہ افواجا کا روح پرور نظارہ دیکھنے کو مل سکتا ہے۔ اس کے ساتھ صالح لٹریچر کی وسیع پیمانے پر نشر و اشاعت بھی ضروری ہے۔ فی زمانہ معاشی تنگ دور میں انسان اتنا مصروف ہو گیا ہے کہ اس کے لیے گفتگو کے لیے وقت نکالنا مشکل ہو گیا ہے۔ اگر تحریکِ اسلامی کا ہر کارکن عملِ صالح کے ساتھ لٹریچر کے ہتھیار سے خود بھی اچھی طرح لیس ہو اور اپنے اپنے حلقہ میں جا بجا اس کا اچھا خاصہ ذخیرہ بھی فراہم کرنے میں کامیاب ہو جائے تو انشاء اللہ یہ تحریک بڑی سرعت سے ہر طبقہ میں نفوذ کرنے لگے گی۔

۱۰۔ ہر تحریک کے لئے ضروری ہے کہ میدان میں کام کرنے کے بعد اپنے کام کا جائزہ انفرادی اور اجتماعی طور پر لیا جاتا رہے۔ رکاوٹوں کو دور کرنے اور تحریک کو آگے بڑھانے

کا جذبہ برابر باقی رہیں۔ اس کے لئے وقفے وقفے سے چھوٹے بڑے اجتماعات کا انعقاد ضروری ...... (TEMPO) ہے۔ ایسے اجتماعات میں شرکت غیر متعلق حضرات کے لئے بہت مفید ثابت ہوا کرتی ہے اور تحریک سے وابستہ حضرات ایک دوسرے سے متعارف بھی ہوتے ہیں اور باہمی گفتگو کا موقع پا کر ولولے اور حوصلے حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح (TEMPO) پیدا ہوتا ہے۔ اب تک جماعتِ اسلامی ہند کے پانچ آل انڈیا اجتماعات منعقد ہو چکے ہیں اور چھٹا اجلاس "وادیٔ ہدیٰ" حیدرآباد میں منعقد ہو رہا ہے۔ ان اجتماعات کا جائزہ بتلاتا ہے کہ ایک اجتماع کے بعد جو دوسرا اجتماع منعقد ہوا ہے اس میں شرکاء کی تعداد بڑھتی رہی ہے اور ہر اجتماع کے بعد تحریکِ اسلامی سے وابستگان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا ہے اور انشاء اللہ چھٹے اجتماع کے بعد تحریکِ اسلامی کو خاطر خواہ تقویت ملے گی۔ میری تو رائے ہے کہ آل انڈیا اجتماع ہر سال ہونا چاہیے اور اس کی عملی صورت یہ ہے کہ پورے ہندوستان کو پانچ زونوں میں تقسیم کر کے ہر زون کا ایک آل انڈیا اجتماع سالانہ منعقد کیا جائے اور جس زون کا اجتماع ہو اس زون کے علاوہ دیگر زون کے ارکانِ جماعت کو چھوٹ دی جائے کہ وہ اس میں شریک ہونے کی حتی الوسع کوشش کریں مگر شرکت لازمی نہ قرار دی جائے۔ ہر اجتماع کی روداد بروقت شائع کی جائے تاکہ دنیا کے ہر گوشہ میں دین کا کام کرنے والوں کو یہاں کی تحریک کا کما حقہ تعارف حاصل ہوتا رہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ روداد اردو، ہندی، انگریزی اور عربی میں بڑی تعداد میں چھپوا کر مفت تقسیم کرنے کا بندوبست کیا جائے۔ اللہ کے فضل و کرم سے اپنے ملک کی علاقائی زبانوں کی دارالاشاعتیں قائم ہیں لہٰذا ہماری مختلف علاقائی زبانوں میں بھی اس کے تراجم شائع کئے جا سکتے ہیں۔ اس عمل کی جو افادیت ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

۱۴۔ میں جماعتِ اسلامی سے متعارف تو ۱۹۴۲ء ہی میں ہو چکا تھا لیکن رکن غالباً ۱۹۴۹ء میں بنا تھا یعنی اجتماع رامپور منعقدہ اپریل ۱۹۵۱ء میں بحیثیت رکن شامل ہوا تھا۔ تحریکِ اسلامی سے متعارف میں محترم محمد حسنین سید صاحب کے ذریعہ ہوا تھا۔ اور محترم مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے ملاقات دربھنگہ کے اجتماع کے موقع پر اس وقت ہوئی تھی جبکہ وہ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ کے ناظم کا علم شیر ڈپٹی کلکٹر کے استفسارات کے جوابات دے رہے تھے۔ ان کی شخصیت اور اندازِ گفتگو نے مجھے بے حد متاثر کیا تھا۔ لمبے لمبے سوال کا جواب چند جچے تلے جملوں میں جو مولاناؒ نے

رہے مجھے انہیں سن کر بڑی مسرت ہوئی تھی، اور اسلام کے لئے کچھ کرنے کا ارادہ دل میں کروٹیں لینے لگا تھا۔ خطاب عام کے موقع پر مولانا؟ خطاب نہیں کر سکے لہٰذا ان کو سننے کی حسرت باقی رہی البتہ دربھنگہ ٹاؤن ہال میں ملک نصراللہ خاں عزیز مرحوم سے ملاقات بھی ہوئی اور ان کی تقریر بھی سنی۔ اس اجتماع نے بھی مجھے کسی حد تک متاثر کیا اور فکر کی حد تک میرا کلام بھی "مسلمان" اور پھر "ایشیا" میں چھپتا بھی رہا جو اسلامی اقدار کا حامل ہوا کرتا تھا۔ ایک اور شخصیت جو مجھے اسلام کی طرف متوجہ کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوئی وہ میرے خالہ زاد بھائی حکیم محمود احمد صاحب مرحوم کی ہے۔ یہ ترجمان القرآن کے خریدار تھے اور جب رسالہ ان کو ملتا تو اپنے رشتہ داروں کو اکٹھا کرکے سنایا کرتے۔ جب ۱۹۳۶ء میں میں کرائسٹ چرچ کالج کانپور میں ایم اے کر رہا تھا تو برادر محترم پٹھان کوٹ جاتے ہوئے ملے تھے اور میرے ساتھ قیام بھی کیا تھا۔ لٹریچر میں "دعوت اسلامی کے مطالبات" نے مجھے بیحد جھنجھوڑا تھا اور بے حد متاثر ہوکر میں نے ایک قطعہ کہا تھا جس کا ایک شعر ہے ؎

وضوح حق کے بعد اے حضرت بتاؤ
بہانے کیا تراشے جا رہے ہیں

لٹریچر کی تاثیر کی گہرائی اور گیرائی کا اس سے اندازہ کیجئے کہ ۱۹۴۸ء میں مجھے گزٹیڈ پوسٹ گرو۔ مود۔ فوڈ افسر کی ریاست بہار میں ملی اور پوسٹنگ دھنباد میں ہوئی تو شیطان اور نفس نے طرح طرح سے بہکانا شروع کیا کہ جماعت اسلامی سے وابستہ ہونا ہی اسلام کی خدمت نہیں ہے اس سے علیحدہ رہ کر بھی اسلام کی راہ پر چلا پایا جا سکتا ہے چنانچہ دھنباد جاتے ہوئے جب میں گیا پہنچا تو ارادہ ہوا کہ داڑھی صاف کرائی جائے۔ لیکن یہ حق تعالیٰ کی نظر کرم تھی کہ میں شیطانی کید سے بچ نکلا۔ داڑھی رکھنا یا نہ رکھنا بظاہر اہم بات نہیں ہے لیکن جو شخص آقائے نامدار محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کی سنت سمجھ کر اسے رکھتا ہے وہ اس کی اہمیت ضرورت اور افادیت سے کما حقہٗ واقف ہوتا ہے، میرا تو ذاتی تجربہ ہے کہ داڑھی شعوری طور پر رکھنے کے بعد بہت سی برائیوں اور منکرات سے میں بچتا رہا ہوں۔ داڑھی کی ضرورت کے سلسلے میں ایک لطیفہ سنئے۔ میرے ایک خالہ زاد بھائی جناب جلیل احمد صاحب ایم اے

واپس شوگر فیکٹری دربھنگہ میں کین سپرنٹنڈنٹ تھے۔ ان کے ایک ماتحت غیر مسلم افسر نے ان کو سوال کیا کہ داڑھی آپ کیوں رکھتے ہیں۔ بھائی صاحب مرحوم نے کچھ دیر توقف کیا اور پھر ان سے کہا کہ جائیے میرے بنگلے سے سگریٹ کیس اور دیا سلائی لے آئیے۔ اسکے بعد آپکے سوال کا جواب دوں گا۔ وہ صاحب فوراً خوشی خوشی اٹھے اور دوڑ کر سگریٹ کیس لے آئے بھائی صاحب مرحوم نے کہا کہ بس آپ کے سوال کا جواب آپ کو مل چکا۔ اس نے تعجب کا اظہار کیا تو بھائی صاحب نے پوچھا کہ میرے کہنے کے مطابق آپ سگریٹ کیس کیسے فوراً لے آئے؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ میرے حاکم ہیں لہٰذا آپکے حکم کی میں نے تعمیل کر دی۔ بھائی صاحب نے انکو سمجھایا کہ میں داڑھی اسلئے رکھتا ہوں کہ ہمارے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے لہٰذا میں اس حکم کی تعمیل کر رہا ہوں۔ یہ سن کر وہ بالکل مطمئن اور خاموش ہو گیا۔

تحریک اسلامی سے وابستگی کے بعد سے اب تک جتنے کٹھن مراحل آئے میں نے بحمداللہ استقامت کا ثبوت دیا ہے اور تحدیث نعمت کے طور پر ذکر کرتا ہوں کہ اللہ ہی کی رضا کے لئے میں نے سروس چھوڑی اور قید و بند کے مصائب بھی خندہ پیشانی سے برداشت کئے اور ہر مرحلہ میں میری رفیقۂ حیات اور بچوں نے میرا بھرپور ساتھ دیا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے)

مجھے فیلڈ ورک کرنے کا بہت کم موقع ملا۔ جب سرکاری ملازمت ۱۹۴۸ء سے ۱۹۵۲ء تک میں رہا تو دھنباد اور اریہ کورٹ میں اجتماعات کی پابندی کرتا رہا اور تحریکی اخبارات اور لٹریچر پھیلاتا رہا۔ جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلتا رہا۔ تحریک کی خاطر سروس سے علیحدگی نے بھی حلقۂ تعارف میں بہت اچھا اثر ڈالا۔ تحریک کے لئے خلوص، ایثار اور بلند کردار یقیناً اپنا حلقۂ اثر پیدا کرکے رہتا ہے۔ آئندہ کے لئے بس اللہ تعالیٰ سے دعا گو رہا کرتا ہوں کہ اسی راہ میں خاتمہ بخیر ہو اور انشاءاللہ دم واپسیں اس تحریک سے وابستہ رہوں گا۔

رفقائے تحریک سے میرا پیغام یہی ہے کہ وہ دوسروں پر نظر رکھنے کی بجائے اپنے اوپر نظر رکھیں اور لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ پر عمل پیرا ہیں۔ اشخاص کو تحریک کی کسوٹی پر پرکھا کریں نہ کہ تحریک کو اشخاص کی کسوٹی پر۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

دعوت و اصلاح کے میدان میں ماہنامہ "ترجمان القرآن" کا کردار

رضی الاسلام ندوی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اردو صحافت کی تاریخ میں غالباً سرسیدؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے صحافت کے ذریعے دعوت و اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ ماہنامہ "تہذیب الاخلاق" کے اجرا کا مقصد ان کے نزدیک یہی تھا کہ مسلمانوں میں پھیلی ہوئی معاشرتی برائیوں پر ضرب لگائی جائے اور ان میں صحیح اسلامی شعور پیدا کیا جائے۔ دعوت و اصلاح کے میدان میں مولانا ابوالکلام آزاد کے رسائل "الہلال" "البلاغ" بھی نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ اس میدان میں مفکر اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا کردار بہت نمایاں نظر آتا ہے۔ دعوت و اصلاح کے سلسلہ میں آپ کی خدمات گوناگوں ہیں۔ آپ نے ایک طرف صحافت کو دعوت و اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ دوسری طرف غیر اسلامی نظریات پر اقدامی حملہ کرنے، اسلامی اقدار و مفاہیم کی تشریح کرنے اور مسلمانوں میں پھیلی ہوئی برائیوں کی اصلاح کرنے والا انتہائی وقیع علمی و ادبی لٹریچر پیش کیا۔ اور تیسری طرف برصغیر میں ایک ایسی جماعت برپا کر دی جس کا دعوت و اصلاح میں ایک گرانقدر حصہ ہے۔

پیش نظر مقالہ میں ماہنامہ "ترجمان القرآن" کے ذریعے مولانا مودودیؒ کی گرانقدر دعوتی و اصلاحی خدمات کا ایک ہلکا سا عکس پیش کرنا اور ادب کی میزان میں انہیں تولنا مقصود ہے۔

مولانا مودودی نے صحافتی زندگی کی ابتدا اخبار "مدینہ" بجنور سے بحیثیت معاون مدیر کی۔ اس وقت آپ کی عمر صرف سترہ سال تھی۔ پھر کچھ دن جبلپور سے "تاج" نکالا۔ اس میں آپ کو آزادانہ اور خود مختارانہ ادارت حاصل تھی۔ سنہ ۱۹۲۰ء کے خاتمہ پر آپ دہلی واپس آ گئے ۱۹۲۲ء میں جمعیۃ علماء ہند کے اخبار "مسلم" کی ادارت سنبھالی اور اخبار بند ہونے تک تقریباً آٹھ ماہ کام کرتے رہے۔ اس کے بعد جمعیۃ العلماء کے سہ روزہ اخبار "الجمعیۃ" کے مدیر ہوئے اور

تقریباً دس سال تک ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ اس وقت شائع ہونے والے مشہور رسائل "معارف"، "نگار"، "ہمایوں"، اور "مخزن" میں بھی آپ کی تخلیقات شائع ہوتی رہتی تھیں۔ اس دور کے مضامین میں "اسلام کا سرچشمہ قوت" اور "اخلاقیات اجتماعیہ اور اس کا فلسفہ" اہمیت رکھتے ہیں۔

ماہنامہ "ترجمان القرآن" سے مولانا مودودیؒ کی وابستگی سنہ ۱۹۳۳ء میں ہوئی۔ اس رسالہ کو مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک عقیدت مند مولانا ابو محمد مصلح صاحب حیدرآباد دکن سے نکالتے تھے۔ چھ مہینے تک یہ انہیں کی ادارت میں نکلتا رہا۔ لیکن بعد میں وہ بعض اسباب کی بنا پر اسے نکالنے سے معذور ہو گئے تو انہوں نے اسے مولانا مودودیؒ کے سپرد کر دیا۔ جنوری سنہ ۱۹۳۶ء تک وہ حیدرآباد ہی سے نکلتا رہا۔ پھر وہاں سے دارالاسلام جمالپور منتقل ہو گیا۔ پھر ایک سال کے بعد ہی وہاں سے لاہور چلا گیا جہاں سے اب تک پابندی سے نکل رہا ہے۔

اس رسالہ کے اجراء کا مقصد قرآنی فکر کو عام کرنا اور قرآن سے مسلمانوں کا رابطہ مضبوط کرنا تھا۔ مولانا مودودی نے بھی اس مقصد کو اپنا نصب العین بنائے رکھا۔ چنانچہ اپنی ادارت میں شائع ہونے والے پہلے شمارے میں رسالہ کے مقاصد پر یوں روشنی ڈالتے ہیں۔

"ترجمان القرآن کے مقاصد میں سے ایک اہم اور ضروری مقصد یہ بھی ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو قرآن سمجھنے میں مدد دی جائے۔ اس مقصد کے ذیل میں یہ بھی آ جاتا ہے کہ ان شکوک و شبہات کو حل کیا جائے جو قرآن مجید کے مطالعہ کرنے والوں کے دلوں میں پیدا ہوتے ہیں"[1]

جس مقصد کے تحت مولانا مودودیؒ نے رسالہ کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور جس عزم کے ساتھ اس کام کا آغاز کیا تھا اس کا اظہار اس جریدہ کے آخری صفحہ پر نمایاں طور سے شائع ہونے والی اس عبارت سے ہوتا ہے جو ابتداءً کئی سالوں تک شائع ہوتی رہی:

"تمام ہندوستان میں یہ اپنی نوعیت کا ایک ہی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد وحید اعلائے کلمۃ اللہ اور دعوت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ دنیا میں جو افکار و تخیلات اور اصول تہذیب

---

[1] ترجمان القرآن جلد ۳ شمارہ ۱ صفحہ ۳ بحوالہ مضمون "مولانا مودودی کی صحافتی زندگی" از ڈاکٹر ایچ۔ بی۔ خان، در مجلہ "تذکرہ سید مودودیؒ"، ادارہ معارف اسلامی لاہور۔ طبع اول ایڈیشن ۱۹۸۶ء

وتمدن پھیل رہے ہیں ان پر قرآنی نقطۂ نظر سے تنقید کرنا اور فلسفہ و سائنس، سیاست ومعیشت، تمدن و معاشرت، ہر چیز میں قرآن و سنت کے پیش کردہ اصولوں کی تشریح کرنا اور زمانۂ جدید کے حالات پر ان اصولوں کو منطبق کرنا اس رسالہ کا خاص موضوع ہے۔ یہ رسالہ امت مسلمہ کو ایک نئی زندگی کی دعوت دیتا ہے اور اس دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے دل و دماغ کو مسلمان بناؤ، جاہلیت کے طریقہ کو چھوڑ کر اسلام کی صراطِ مستقیم پر چلو۔ قرآن کو لے کر اٹھو اور دنیا میں غالب بن کر رہو۔"

اپنے ایک اداریے میں فرماتے ہیں:-

"ادارہ ترجمان القرآن کوئی تجارتی ادارہ نہیں ہے۔ ہمارے پیشِ نظر صرف ایک مقصد ہے اور وہ مسلمانوں کو قرآن کی طرف دعوت دینا ہے۔"[4]

ابتداء میں ترجمان القرآن کا حلقۂ اشاعت بہت محدود تھا۔ وہ مسلسل مالی خسارہ سے دوچار رہتا تھا۔ لیکن مولانا مودودیؒ نے سود و زیاں سے بے پرواہ ہو کر اور مالی منفعت کو پس پشت ڈال کر ایک دعوتی مشن کے تحت اسے جاری رکھا۔ ملک کے طول و عرض میں اس کو اہل علم کے درمیان قبول عام حاصل تھا۔ ایک طرف باطل افکار و نظریات پر اس کی ضرب شدید تھی۔ دوسری طرف مسلمانوں کی ناگفتہ بہ حالت کے گہرے تجزیہ کے ساتھ ساتھ اس میں ان کے لئے راہِ عمل بھی موجود تھی۔ ترجمان القرآن سے مولانا مودودیؒ کے گہرے شغف اور ایک خاص مقصد کے تحت اس کے اجراء میں لگے رہنے کا عالم یہ تھا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی نے جب سر اکبر حیدری سے گفتگو کر کے مولانا کو جامعہ عثمانیہ میں دینیات کی پروفیسر شپ کی پیش کش کی تو مولانا نے اسے قبول نہیں کیا۔ بڑے بھائی جناب ابوالخیر مودودیؒ نے سمجھا بجھا کر آمادہ کرنے کی کوشش کی تو مولانا نے جواب دیا۔

"حالات بہت نازک ہو چکے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ جو سیلاب آنے والا ہے۔ وہ ۱۸۵۷ء والے انگریزی اقتدار کے سیلاب سے بھی کہیں زیادہ مہلک اور تباہ کن ہوگا

---

[3] بحوالہ کتاب "سید ابوالاعلیٰ مودودی" از چودھری عبدالرحمٰن عبد۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور۔ طبع دوم ۱۹۷۹ء صفحہ ۸۳-۸۴

[4] ترجمان القرآن جلد ۷ شمارہ ۲

مسلمانوں کو اس نظریے سے آزاد کرا دیا [illegible]

کچھ نہ کچھ خدمت کر [illegible]

مجھے یقین ہے کہ اگر میری آواز میں خلوص ہوا تو میرا اپنا [illegible] ڈالا۔"[5]

مولانا مودودیؒ ترجمان القرآن سے کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے اور اس کے ذریعہ علم و اسلام کے میدان میں ان کے پیش نظر کتنا عظیم الشان کام تھا۔ اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے ہو سکتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:-

"اس رسالہ کی ترقی کے لئے بہت سی تمنائیں میرے دل میں ہیں۔ جس طرز پر یہ نکل رہا ہے میں اس سے مطمئن نہیں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ ایک زبردست انقلابی طاقت بن جائے۔ خیالات کا رخ جاہلیت سے اسلام کی طرف پھیر دے۔ افکار کی تنظیم، تعمیر اور تعمیر خالص اسلام کے اصولوں پر کرے۔ اسلام جو ایک جامد یادگار قدیم بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اس کو یہ ایک نامی تحریک اور متحرک نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کرے۔ اعلیٰ درجے کی تنقید کے ساتھ دنیا کی ایک ایک گمراہی کا استیصال کرے اور گہری تحقیق کے ساتھ زندگی کے ایک ایک مسئلہ کو اصولِ اسلام کے مطابق حل کرے۔"[6]

ترجمان القرآن میں شائع ہونے والی مولانا مودودی کی تحریریں دعوت و اصلاح کا شاہکار نمونہ ہیں آپ نے دین کے کسی ایک پہلو ہی پر زور نہیں دیا۔ بلکہ تمام پہلوؤں پر اپنی توجہات مرکوز کیں۔ آپ کی تحریروں میں سوز دروں بھی پایا جاتا ہے اور عقلی استدلال بھی۔ اس سلسلہ میں پاکستان کے ایک مشہور ادیب مولانا ماہر القادری اور پاکستانی سینیٹ کے رکن پروفیسر خورشید احمد کی شہادتیں کافی ہیں۔

ماہر القادری فرماتے ہیں:-

---

[5] چودھری عبدالرحمٰن۔ حوالہ بالا

[6] بحوالہ مولانا مودودی اپنی اور دوسروں کی نظر میں ۔ محمد یوسف بھٹہ ۔ مرکزی مکتبہ اسلامی ہند دہلی طبع اول ۱۹۸۱ء صفحہ ۵۵-۵۶

"مولانا مودودیؒ دین کے کسی خاص شعبہ کی اصلاح و خدمت کے لیے نہیں اٹھے ان کا مشن اور پروگرام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پورے کے پورے دین کو قائم اور نافذ اور برپا کیا جائے۔ اس لئے ان کی تحریروں میں غیر معمولی ہمہ گیری، جامعیت اور تنوع پایا جاتا ہے۔ بے پردگی، سود، ضبط ولادت، انکار حدیث، اشتراکیت، قوم پرستی شرک، بدعت، مغرب زدگی غرضیکہ جاہلیت کے ہر محاذ پر وہ دلائل و براہین سے مسلح اور کیل کانٹے سے لیس نظر آتے ہیں۔ اس چیز نے ان کی کتابوں اور تحریروں میں بڑی رنگا رنگی پیدا کردی ہے۔" [8]

ترجمان القرآن کی ابتدائی تحریروں کے بارے میں پروفیسر خورشید احمد فرماتے ہیں:-

"ان تحریروں کا ایک پہلو اور بھی ہے۔ مولانا مودودی کی تحریر بالعموم منطقی اور غیر جذباتی ہوتی ہے۔ لیکن ان تحریروں میں ہمیں دھڑکتا ہوا دل اور اشکبار آنکھیں نظر آتی ہیں۔ یہاں داعی کی زبان اور دعوت کی پکار اور یہ زبان، یہ پکار بڑی ایمان افروز اور حوصلہ پرور ہے۔ اس کے مطالعہ سے تحریک اسلامی ہی نہیں بلکہ خود داعی کی شخصیت کے پیچھے ہوئے گوشے بھی سامنے آتے ہیں۔" [9]

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوجاتا ہے کہ مولانا مودودی نے دعوت و اصلاح کے میدان میں قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم ان تحریروں کو ادبی زمرہ میں کیوں شمار کریں؟ ان کی کیا خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے وہ ادیبوں کی صف میں جگہ پانے کے مستحق ہیں اور ان کی تحریروں پر "ادب عالیہ" کا اطلاق ہوسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ مولانا مودودیؒ نے خود ادب کی تعریف یہ کی ہے "ادب حسن کلام اور تاثیر کلام کا نام ہے" یہ ایک انتہائی جامع تعریف ہے جس کا کوئی ادیب انکار نہیں کرسکتا۔ مولانا مودودیؒ کی تحریروں کو اگر ہم اس میزان

---

[8] مضمون "بلند مفکر عظیم ادیب" از ماہر القادری مدیر فاران در کتاب ادبیات مودودی از پروفیسر خورشید احمد۔ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور۔ طبع دوم ۱۹۷۶ء صفحہ ۱۲۶

[9] چراغ راہ کراچی۔ تحریک اسلامی نمبر صفحہ ۹۸

پر دیکھیں تو بجا طور پر انہیں ادب کے شہ پارے قرار دے سکتے ہیں۔ یہی کیا، بڑے بڑے ادیبوں نے اس کی شہادت دی ہے۔ ماہر القادری فرماتے ہیں:-

"مودودی صاحب کی تحریروں میں دینی فکر کا جتنا رچاؤ تھا۔ اتنا ہی چٹخارہ زبان و ادب کا بھی تھا۔ جس نے پڑھنے والوں کے ذہن و فکر کو متاثر کیا۔ اور پھر سب سے بڑھکر لکھنے والے کا خلوص "از دل خیزد بر دل ریزد" والا معاملہ۔ ترجمان القرآن پڑھنے والوں کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔" [10]

ماہر القادری مزید فرماتے ہیں:-

"اردو زبان میں مولانا مودودی کی تحریروں پر "ادب عالیہ" کا اطلاق ہوتا ہے فکر بھی بلند اور اسلوب اظہار بھی حسین۔ اسی کو "عروس جمیل در لباس حریر" کہا جاتا ہے۔" [11]

مولانا مودودیؒ کی تمام تحریریں پہلے ترجمان القرآن میں شائع ہوئی تھیں۔ ان تحریروں کی قوت تاثیر کا کمال تھا کہ ان کی بنیاد پر پوری ایک تحریک برپا ہوئی۔ تنقیحات اور تفہیمات کے تمام مضامین جن میں ایک طرف باطل افکار و نظریات پر ضرب کاری لگائی گئی ہے اور دوسری طرف اسلامی اقدار کی شرح کی گئی ہے۔ سب پہلے ترجمان القرآن ہی کی زینت بنے تھے۔ وہ تمام مضامین جن میں مسلمانوں کے فکری انتشار کا تجزیہ کرکے ان کے سامنے صحیح لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے۔ اور جو بعد میں "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" نامی کتاب کی صورت میں منظر عام پر آئے ترجمان القرآن ہی میں شائع ہوئے۔ مولانا کا مشہور مقالہ "نیا نظام تعلیم" جس میں انہوں نے مسلمانوں کے موجودہ تعلیمی نظام کی اصلاح کا خاکہ پیش کیا ہے اور جسے انہوں نے دار العلوم ندوۃ العلماء کی انجمن اتحاد الطلبہ میں پیش کیا تھا۔ ترجمان میں شائع ہوا تھا۔

مولانا مودودیؒ کی یہ تمام تحریریں دعوت و اصلاح کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ ساتھ اپنے اندر ادبی چاشنی بھی رکھتی ہیں۔ ان میں صنائع لفظیہ کی پوری رعایت ہے۔ تشبیہ و استعارہ

بقیہ صفحہ ۲۶ پر

---

[10] ماہر القادری۔ حوالہ بالا

[11] ماہر القادری۔ حوالہ بالا

کون برباد ہوا کس کا سہارا ٹوٹا

محمد ادریس فلاحی۔ ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

مولانا ابواللیث ندویؒ کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جن کا سرمایہ امتیاز صرف علم وفکر ہی نہیں بلکہ عمل کی پاکیزگی بھی ہوتا ہے اور اس جنس کے بحران کا جو عالم ہے وہ اہل نظر سے مخفی نہیں ہے۔ راقم الحروف کو مولانا سے ملنے اور مستفید ہونے کے مواقع جامعۃ الفلاح کی طالب علمی کے زمانہ میں متعدد بار میسر آئے۔ جب کبھی ان سے ملا، ان کے علم وفضل سے زیادہ ان کی پاکیزگی عمل اور خلوص و یگانگت سے متاثر ہوا، علم وفضل سے زیادہ نہ متاثر ہونے کی وجہ صرف اور صرف میری کم سنی اور کوتاہ علمی رہی ہے اس لئے کہ ان کے پایۂ علم کو پہنچنا ہم جیسے بے بضاعتوں کا کام نہ تھا۔ مولانا علم وتفقہ کے کس مقام پر فائز تھے اور ان کی نظریں ملی اور مذہبی معاملہ میں کتنی عمیق تھیں ان سب کا اندازہ کرنا علمائے کبار کا کام ہے۔ کسی موقع پر ہندوستان کے نامور اسکالر جناب مولانا سید صباح الدین عبدالرحمن ناظم دارالمصنفین و مدیر معارف اعظم گڑھ نے فرمایا تھا، "مولانا کو دیکھ کر صحابہ کرام کی زندگی یاد آگئی"۔[1]

مولانا ایک متقی وپرہیزگار، بااصول وراست باز، ذہین وبیدار مغز اور رضائے اخلاق وکمال انسان تھے، ان کے اعمال کی پاکیزگی اور بے لوثی اور بے غرضی کو دیکھ کر رشک ہوتا تھا۔ مولانا مرحوم کی یہی وہ امتیازی اوصاف تھے جس نے انہیں اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ تحریک اسلامی ہند کی تقریباً چھتیس سال تک قیادت کا فریضہ انجام دیا۔ مولانا کی زندگی اور تحریکی وتنظیمی خدمات کا خلاصہ چند لفظوں میں بیان کیا جائے تو یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مولانا نے اپنی جان، اپنا مال ومتاع اپنا وقت، اپنی صلاحیت ولیاقت اپنی زندگی الغرض اپنا سب کچھ اس عظیم مقصد ونصب العین کی راہ

---

[1] حیات نو دسمبر جنوری ۱۹۹۱ء ص ۷۷

میں جھونک دیا جس کے لئے انہیں بھیجا گیا تھا۔ سعی وجہد، مقصد سے گہری وابستگی، راہ کی [illegible] اور ابتلاؤں میں بھی بشاشت اور ہر حال میں ثابت قدم رہنا اور تحریک اسلامی کی قیادت وسیادت کی وسیع اور متنوع صلاحیتیں، پرمحبت ودردمند دل قول وفعل میں یکسانیت، تسخیر کرلینے والے اخلاق وکردار، یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں مولانا مرحوم کے اجزائے ترکیبی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ میں جب مولانا عامر عثمانیؒ کے یہ اشعار پڑھتا ہوں تو کلیجہ منہ کو آتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے انہی کو دیکھ کر مسلمانوں کو اپنی قسمت پر ماتم کرنے کی دعوت دی ہے ؎

تیرہ وتار تھی پہلے ہی یہاں شام حیات — دامن چرخ سے اک اور ستارا ٹوٹا
کوئی بتلاؤ میری قوم کے معصوموں کو — کون برباد ہوا کس کا سہارا ٹوٹا

بڑے وثوق کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے بعد ہند وپاک میں مولانا ابواللیث ندویؒ سے زیادہ حوصلہ مند، بلند ہمت اور آہنی صفت شخصیت پیدا نہیں ہوئی۔ مولانا کی تحریکی زندگی کا آغاز ہندوستان کے جس دور میں ہوا، اس وقت ہندوستان شدید اکھاڑ پچھاڑ اور باہمی کشت وخون میں مبتلا تھا، قوم پرستی اور فرقہ پرستی نے انسانیت کا ستیاناس کر رکھا تھا، اتحاد ملی کے دور دور تک آثار نہ تھے، ملک کے جن افراد کو عظیم الشان اخلاق اور روحانی انقلاب کی دعوت دینی چاہئے تھی وہ خود مغرب کے خونیں (نسلی، وطنی، طبقاتی معاشی اور سیاسی) انقلاب سے متاثر بلکہ مرعوب تھے۔ ان حالات کا فطری تقاضا یہ تھا کہ کوئی ایسی تحریک اٹھے جس کی بنیاد خدا کی بندگی اور اس کی اطاعت، وحدت انسانیت اور حاکمیت الٰہ پر قائم ہو چنانچہ ۱۹۴۱ء میں اسی بنیاد پر جماعت اسلامی کا قیام غیر منقسم ہندوستان میں عمل میں آیا جس کے سربراہ سید مودودیؒ منتخب ہوئے۔ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم ہوگئی، مولانا نے ہندوستان سے متعلق ارکان جماعت کو اجازت دے دی کہ وہ اپنا امیر جماعت منتخب کریں، ۱۹۴۸ء میں انہوں نے متفقہ طور پر مولانا ابواللیث ندویؒ کو اپنا امیر منتخب کیا۔ مولانا محمد طاہر مدنی استاذ جامعۃ الفلاح کے بقول، "۴۷ اور ۴۸ کے پرآشوب دور میں ایک تاریخ ساز شخصیت کی ضرورت تھی، جماعت بڑی خوش نصیب تھی کہ اسے بالغ نظر، بلند نگاہ اور حکمت وفراست رکھنے والی قیادت نصیب ہوئی جس نے دعوت کے کام، ملی مسائل اور دیگر ضروری باتوں کی اہمیت محسوس کی اور ایک متوازن پالیسی بنائی"۔[1]

---

[1] حیات نو دسمبر جنوری ۱۹۹۱ء ص ۵۷

مولاناؒ کی ہمہ جہتی شخصیت کا اندازہ خود ان کے خطابات اور نصیحتوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

مولانا کو بڑی دولت جو ہاتھ آئی وہ ان کی مستقل مزاجی، انہماک و یکسوئی اور سنجیدگی و متانت کی دولت تھی۔ درحقیقت یہی وہ دولت ہے کہ جب انسان اس سے محروم ہوتا ہے تو اس کی دعوتی زندگی کی گاڑی پٹری سے اتر جانے کا ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے۔ مولانا نے جس جذبۂ صدق سے تحریک اسلامی ہند کی قیادت و سیادت کی ذمہ داری اپنے سر لی، اسے آخری وقت تک بحسن و خوبی نبھانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ حالات کی سنگینی، مسائل کی بھرمار اور وسائل و ذرائع کی کمی، ساری مشکلات بلکہ ساری مخالفتوں سے پنجہ آزمائی کی۔ مولانا کے قدیم رفیق اور عظیم عالم قرآن مولانا صدرالدین اصلاحی نے اپنی گفتگو میں فرمایا "۴۴ سال ساتھ رہا ہوں کتنے مواقع آئے ہم لوگ گھبرا گئے لیکن مولاناؒ کے پائے ثبات میں کبھی فرق نہیں آیا۔"[1]

یہ واقعہ ہے کہ مولاناؒ نے بڑی خندہ پیشانی سے اس عظیم الشان مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ عظیم مفسر قرآن ڈاکٹر محمد عنایت اللہ سبحانی استاذ جامعۃ الفلاح کے بقول "جماعت کو ہی نہیں ملت کو بہت کچھ دیا۔ پوری ملت ایک زبردست خلا محسوس کرے گی۔۔۔۔۔۔ انہوں نے چاہا کہ دنیا سے کم سے کم لیں اور دنیا کو جتنا دے سکیں دے دیں اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔"[2]

مولانا ابو اللیث ندویؒ نے تحریک و تنظیم اور دعوت و تبلیغ سے متعلق تحریری سرمایہ بہت کم چھوڑا ہے لیکن جو کچھ بھی ہے وہ ہمارے لئے ایک عظیم سرمایہ ہے۔ مولانا کی تحریریں بطور خاص دعوتی و تحریکی میدان میں اقدام سے متعلق ہمیں کچھ پیغام دیتی ہیں، ان کے پیغاموں کی روشنی میں ہمیں خاص طور سے تحریکی، تنظیمی، تربیتی اور دعوتی سرگرمیوں کو مزید سنوارنے کا موقع ملے گا۔

اجتماعیت کی اہمیت

اجتماعیت انسان کی ایک بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر انسانیت کی تکمیل ناممکن ہے۔ اجتماعیت کی اسی اہمیت کے پیش نظر مولاناؒ نے تحریکی رفقاء کو یہ ہدایت کی تھی کہ "آپ کی ایک خاص خصوصیت جو آپ کو عام مسلمانوں سے ممتاز کرتی ہے

---

[1] حیات نو دسمبر جنوری سنہ ۱۹۹۱ء ص ۲۲
[2] ״ ״ ״ ״ ״ ص ۸۹

یہ ہے کہ آپ نے اپنے کو ایک اجتماعیت کے شیرازہ میں منسلک کیا ہے۔ آپ کو انفرادی طور پر اپنی اصلاح کرنے اور اپنے اعمال کو شریعت کے قالب میں ڈھالنے کی جدوجہد کے ساتھ یہ بھی دیکھنا ہے کہ آپ کی زندگی ایک نظم جماعت کی ماتحتی میں گزرے، یہ چیز ضروری ہونے کے ساتھ کچھ مشکل بھی ہے۔۔۔۔۔ آپ نے جب اطاعت امیر اور نظم جماعت کی پابندی کا عہد خود اپنی مرضی سے کیا ہے تو آپ کو اپنی ہر چیز میں اس کی پوری پوری پابندی کرنی چاہئے۔"[1]

پوری انسانیت کی خیر خواہی

دعوت کی ابتداء انسانی ہمدردی اور بہی خواہی سے ہوتی ہے نفرت اور بغض و عداوت کو محبت اور رواداری ہی دور کر سکتی ہے۔ مولانا اس سلسلے میں فرماتے ہیں: "نفرت کسی بھی مرض کا علاج نہیں بلکہ بجائے خود ایک مہلک بیماری ہے، آپس کی محبت اور رواداری ہی انسانوں کو بلا امتیاز فرقہ، طبقہ و علاقہ امن و خوشحالی کے مواقع فراہم کر سکتی ہے۔۔۔۔۔۔ تمام انسان خدا کا کنبہ اور آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا ان کے درمیان نفرت و عداوت کی کوئی وجہ نہیں ہونی چاہئے جو چیز انسان کو ایک دوسرے سے بہتر بنا سکتی ہے وہ صرف خدا ترسی کا کردار اور نیکی اور پرہیزگاری ہے۔ اسلام کی یہ تعلیم پوری انسانیت کے لئے عام ہے۔"[2]

صرف زبانی دعوت سے احتراز

داعی دین کو داعیانہ صفات سے متصف ہونا ضروری ہے ورنہ دعوت بے جان ہو کر رہ جائے گی۔ مولاناؒ نے اس سلسلہ میں بڑی قیمتی باتیں فرمائی ہیں: "دعوت بلاشبہ زبانی بھی دی جا سکتی ہے لیکن حقیقی اور مؤثر دعوت عمل ہی کے ذریعہ ممکن ہے آپ جو اونچی اونچی باتیں کرتے ہیں آپ اپنے انفرادی یا اجتماعی عمل کا کیا نمونہ رکھتے ہیں اور وہ کہاں تک آپ کی باتوں کے مطابق ہے۔ اچھی اور اونچی باتیں اس زمانہ میں کوئی نایاب چیز نہیں ہیں البتہ حسن عمل ایک ضرور کمیاب اور نایاب چیز ہے اور دنیا کو حقیقتاً اسی کی تلاش ہے۔ اگر آپ نے سب کچھ کر لیا لیکن اپنے عمل کا کوئی اچھا نمونہ آپ پیش نہ کر سکے تو صرف یہی نہیں

---

[1] روداد اجتماع رامپور ص ۲۷
[2] سہ روزہ دعوت ۱۳ نومبر ۱۹۸۹ء

کہ آپ کی دعوت موثر نہیں ہو سکے گی بلکہ اندیشہ ہے آپ لوگوں کے لئے دین اور دینی کام سے تنفر کا باعث نہ بن جائیں۔" ؎۱

قلت تعداد کا عذر

دعوتی میدان میں قلت تعداد کا عذر، عذر لنگ ہے اس لئے کہ انبیاء کی تاریخیں بتاتی ہیں کہ پوری دعوت و تبلیغ کے نتیجہ میں صرف چند افراد نے اسلام قبول کیا۔ حضرت نوحؑ کی تقریباً ساڑھے نو سو سالہ دعوت کے نتیجہ میں کشتی پر سوار چند نفوس تیار ہو سکے۔ خود آخری نبیؐ کے ابتدائی دور میں بہت کم تعداد ان نفوس کی تھی جو حضورؐ کے ساتھ تھے بعد میں صورتحال بدلی اور دیکھتے دیکھتے "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا منظر سامنے آیا۔ مولاناؒ فرماتے ہیں:۔

"کارکنوں کی کمی کا شکوہ جو بہت سی رپورٹوں میں کیا گیا ہے بہت زیادہ حق بجانب نہیں کہا جا سکتا بالخصوص جب کہ اس بات کو بھی پیش نظر رکھا جائے کہ کلمہ حق اپنے اندر خود ایک ایسی قوت رکھتا ہے کہ وہ معنوی سہارے کے بل پر بھی دلوں میں گھس کر خود اپنی راہ پیدا کرلے۔" ؎۲

طلباء اور نوجوان قوم کے قیمتی اثاثہ

مولاناؒ اسلامی مدارس کے طلباء اور نوجوانوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ "اساتذہ یکسو ہو کر یہ کام کریں کہ اقامت دین کے لئے بنیادی عقل اور توانائی یہیں سے حاصل ہوگی۔" اسی اہمیت کے پیش نظر مولانا نے طلباء اور نوجوانوں کو ملک و ملت کا قیمتی اثاثہ بتایا ہے فرماتے ہیں: "ہر ملک و قوم کے لئے اس کے طلباء اور نوجوان اس کے نہایت قیمتی اثاثہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا مستقبل بہت کچھ ان کے ہی مناسب رویہ اور طرز عمل پر منحصر ہے اس لئے اپنے مستقبل کی فکر رکھنے والا ہر معاشرہ ان کی صحیح تعلیم و تربیت کو اپنی اولین توجہ کا مستحق سمجھتا ہے۔" ؎۳

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

ہندوستانی مسلمانوں بالخصوص جماعت سے وابستہ افراد کو مولانا نے ہدایت کی ہے کہ "وہ ملک کے حالات و مسائل میں گہری دلچسپی لیں اور تمام بندگان خدا سے الفت و محبت کا تعلق قائم کریں تاکہ ملک میں

؎۱ روداد اجتماع رامپور ص ۲۵

؎۲ " " " ص ۳۳،۳۴

؎۳ سہ روزہ دعوت ۲۲ جون ۱۹۸۶ء ص ۳

بھلائیوں کا فروغ اور برائیوں کا سدباب ہو سکے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہمارا فرض منصبی ہے۔" ؎۱

ہماری دعوت کی تعبیر

اس سلسلہ میں مولانا کا فرمان یہ ہے کہ "ہم اپنی دعوت کی تعبیر کے لئے چاہے حکومت الٰہیہ کا لفظ استعمال کریں یا نظام اسلامی اور اقامت دین کے الفاظ، ان سب لفظوں سے ہمارا مدعا صرف ایک ہی ہوتا ہے یعنی یہ کہ ہم نے اس کل دین کے قیام کو اپنا مقصد و نصب العین ٹھہرایا ہے جس کا نام اسلام ہے اور جو انسان کے انفرادی و اجتماعی تمام گوشوں کو محیط ہے اس تعریف کی رو سے یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ ہماری دعوت کا مدعا یہ نہیں ہے کہ ہم صرف اپنی نجی زندگی کو بالفاظ دیگر خالق کے ساتھ اپنے روحانی تعلق کو سنوارنا اور درست کرنا چاہتے ہیں اور معاملات زندگی سے کوئی واسطہ رکھنا نہیں چاہتے اور نہ یہ ہے کہ بس انہیں معاملات زندگی ہی سے سروکار ہو اور ان میں سے بھی بالخصوص ان معاملات سے جن کا تعلق سیاست و حکومت سے ہے اور اپنی نجی زندگی کی اصلاح و درستگی سیرت و کردار کی تعمیر و تہذیب اور خالق کے ساتھ اپنے رشتۂ عبودیت کی استواری وغیرہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔" ؎۲

علماء سے حسن ظن

مولاناؒ نے داعیان دین کو ہدایت کی ہے کہ "علماء بحیثیت عالم دین ہماری عزت و احترام کے مستحق ہیں اور اگر ان کا کوئی رویہ قابل شکایت یا ان کے منصب کے منافی ہو بھی تو ہمیں ہر حال میں اپنے صحیح اصولوں کی پیروی کرنی چاہئے اس بارے میں ان کا کوئی غلط رویہ ہمارے لئے اسوہ نہیں بن سکتا۔" ؎۳

مخالفین کے ساتھ ہمارا رویہ

چونکہ ہماری دعوت کے اصل مخاطب ہمارے غیر مسلم افراد ہیں لیکن بدقسمتی سے ہمارا بعض مسلم طبقہ بھی ہماری دعوت کی مخالفت پر شعوری یا غیر شعوری طور پر آمادہ ہے، اس لئے ان سے دعوتی روابط سے متعلق ہمارا کیا رویہ ہونا چاہئے اس سلسلہ میں مولانا فرماتے ہیں:۔ "اب بھی کچھ ایسے حضرات موجود ہیں جو

؎۱ سہ روزہ دعوت ۱۰ نومبر ۱۹۸۸ء

؎۲ زندگی رامپور اشارات فروری ۱۹۵۶ء ص ۳

؎۳ روداد اجتماع رامپور ص ۱۳۶

دیگر وجوہ کے ماتحت ہماری مخالفت پر آمادہ ہیں مجھے توقع تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خود کچھ بوجھ عطا فرمائے گا ...... چونکہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ پیش آتا ہے اور اس میں کوئی نہ کوئی پہلو خیر ہی کا ہوتا ہے اس لئے اس صورت حال کے استقبال کے لئے آپ کو تیار رہنا چاہئے ممکن ہے اللہ ہمارے مخالفین کے دلوں میں اس طرح کا خیال ڈال کر ہماری سیرت وکردار کی جانچ کے لئے ایک موقع فراہم کرنا چاہتا ہو تاکہ لوگ دیکھ سکیں کہ ہم پر ظلم وستم ڈھایا جا رہا ہو تو اس وقت ہم کیسا طرز عمل اختیار کرتے ہیں ...... میں آپ کو متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کا رویہ ایسے مواقع پر غصہ اور جھنجھلاہٹ کا نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کے بجائے آپ کو صبر وضبط، عفو ودرگزر اور بردباری سے کام لینا چاہئے۔ مخالفین کی طرف سے جو کچھ بھی پیش آئے اسے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کیجئے اور ان کا شکوہ کرنے کے بجائے اللہ سے اپنی عفو ومغفرت اور استقامت وثابت قدمی کی دعا کیجئے، آپ کا رویہ خود مخالفین کے لئے تازیانۂ عبرت ثابت ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد ان پر راہ صواب واضح ہو جائے اور وہ خود بخود اپنی مخالفتوں سے باز آجائیں۔" [1]

سماجی برائیوں کا علاج

سماج میں اونچ نیچ، چھوت چھات، بڑے چھوٹے، امیر وغریب ذات پات، دین ودھرم، فرقے اور علاقے کے تفرقے سے متعلق جو برائیاں پروان چڑھ رہی ہیں ان کے علاج کے سلسلہ میں مولانا فرماتے ہیں:- "باہمی محبت ورواداری اور انسانی رشتوں کا احترام اور اخلاقی ذمہ داری کا احساس ہی بلا امتیاز مذہب وفرقہ طبقہ وعلاقہ، عافیت اور خوش حالی وترقی کی ٹھوس ضمانت فراہم کر سکتی ہے۔" [2]

معاشی پریشانیاں

معاشی فراوانی ایک بہت بڑی نعمت ضرور ہے لیکن بہت بڑی آزمائش بھی ہے جس طرح معاشی بدحالی ایک عظیم آزمائش ہے خصوصاً ان لوگوں کے لئے جنہوں نے خدا کے دین کو خدا کی زمین پر نافذ کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ مولانا نے رفقاء تحریک کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:- "رفقاء کی معاشی پریشانیاں اور معاش کے لئے ان کی

۱۔ روداد اجتماع رامپور ص ۱۹ – ۲۰

۲۔ قومی تنظیم ۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۸ء

امر واقعہ بلاشبہ ایک عذر ہیں لیکن کسی تحریک سے وابستہ لوگوں کے لئے اس عذر کی بھی زیادہ اہمیت نہیں ہونی چاہئے۔ دنیا میں جو لوگ بھی کوئی کام کرنے اٹھتے ہیں خواہ وہ اپنی جگہ اچھا ہو یا برا وہ ہمیشہ وہی لوگ نہیں ہوتے ہیں جو فکر معاش یا ذاتی پریشانیوں سے ہر گونہ آزاد اور فارغ البال ہوں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک تحریک اسلامی کا تعلق ہے اس طرح کے کام کرنے والے ہمیشہ وہی لوگ رہے ہیں جو معاشی حیثیت سے بہرحال خوش حال نہیں تھے، خوش حال طبقہ شروع ہی بہت کم آتا ہے اور جو آتا بھی ہے تو وہ مختلف اسباب کے تحت معاشی بدحالی کا شکار ہو جاتا ہے اس کام کا جو شوق وانہماک ان میں پیدا ہو جاتا ہے وہ ان کے اندر اپنی بدحالی کا احساس بھی پیدا نہیں ہونے دیتا۔ کام کی لگن ہر مشکل کو آسان بنا دیتی ہے میں اپنے رفقاء سے بھی اسی کیفیت کا [illegible]

عملی نمونہ کی ضرورت

عملی نمونہ ہر تحریک وتنظیم کی ہمہ جہتی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ انبیاء کرام اور صلحائے عظام کی زندگیوں کو نمونہ بنانے کی تاکید قرآن وسنت میں بار بار اس لئے کی گئی ہے کہ اس کے بغیر رضائے الٰہی کا حصول ممکن نہیں ہے۔ مولانا نے اپنے خطاب میں اس پر کافی زور دیا ہے۔ فرماتے ہیں:- "دنیا اسلام کا عملی نمونہ دیکھنا چاہتی ہے اگر آپ نے اوروں کی طرح محض ذہنی وفکری اعتبار سے اسلام کی نمائندگی کی اور دنیا آپ کے عمل وکردار میں اسلام کی جھلک نہ دیکھ سکی جس کے آپ دعویدار ہیں تو اس سے آپ اور جماعت دونوں کو نقصان پہنچے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے رفقاء دوسروں پر تنقید کرنے سے پہلے اپنے اوپر بھی تنقیدی نگاہ ڈال لیا کریں تاکہ جس ماحول میں دعوت پہنچانا چاہتے ہیں اس میں کسی قسم کی بدگمانی پیدا نہ ہونے پائے۔" [1]

اجتماع کے مقاصد

مولانا، اجتماع کے مقاصد کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:- "اجتماع کے تین اہم مقاصد ہیں۔ ایک یہ کہ ہم ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں۔ باہم قریب ہوں ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوں ..... اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون کریں۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے کاموں کا

۱۔ روداد اجتماع رامپور ص ۱۳۰

۲۔ روداد اجتماع رامپور ص ۱۵۷

جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ہمیں کیا کچھ کرنا چاہئے تھا اور ہم نے کیا کچھ کیا ہے۔ اور جو کچھ نہیں کیا ہے کیوں نہیں کیا ہے اور پھر موانع اور اسباب ہمارے سامنے آئیں ان کے ازالہ کی تدابیر سوچیں اور تیسرا مقصد جو ان دونوں کا حاصل ہے یہ ہے کہ اپنی دعوت سے آنے والوں کو زیادہ سے زیادہ روشناس کرانے کی کوشش کریں اور اس کے لئے کسی موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیں۔[۱]

مولانا کی چند قیمتی نصیحتیں

آپ میں تقویٰ اور خشیت الٰہی اس حد تک ہونی چاہئے کہ اس کا اثر آپ کے ہر قول و عمل سے نمایاں طور سے محسوس کیا جا سکے، آپ کو ہر ہر قدم پر احتساب کرنا چاہئے، احتساب کا سب سے بہتر ذریعہ نماز ہے۔ آپ اپنا وقت بے کار یا لایعنی بات چیت میں صرف کرنے سے احتراز کریں کیونکہ وقت بھی اللہ کی ایک نعمت ہے جس کے سلسلہ میں ہر انسان کو جوابدہی کرنی ہوگی کہ اسے اس نے کس کام میں صرف کیا ہے۔ آپ اپنی زبان کو غیبت اور بدگوئی سے محفوظ رکھیں کیونکہ زبان جو کچھ تراشتی ہے اس کا بھی ایک دن لامحالہ حساب دینا ہے۔ آپ کوشش کریں گے کہ آپ کا کوئی فعل بے وجہ کسی ایذا کا باعث نہ بنے بلکہ آپ دوسروں کی خدمت و اعانت کرنا اپنا فرض سمجھیں کیونکہ یہ چیز خدا کی ناراضگی سے بچنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا بڑا ذریعہ ہے۔ آپ دوسروں کی اصلاح میں شوق و دلچسپی سے حصہ لیں کیونکہ یہ چیز آخرت کی زندگی میں آپ کے لئے کارآمد ہو سکتی ہے۔ اور آپ خود اپنی اصلاح پر آمادہ ہوں اور اس سلسلہ میں دوسروں کی نصیحت کو بغیر کوئی ناگواری محسوس کئے ہوئے دل سے قبول کریں اور اس کے شکر گزار ہوں گے۔ بہرحال تقویٰ دین کی جان ہے۔[۲]

یہ اور اس طرح کے اور بہت سارے نقوش مولانا علیہ الرحمۃ اپنے اسوؤں، خطبوں اور اپنی تحریروں کی شکل میں جو چھوڑ گئے ہیں۔ ہندوستان کے موجودہ حالات کے سیاق میں وہ نہ صرف داعی تحریک کے لئے کلید کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ ان سے تحریکی، اصلاحی، بلکہ بین الانسانی سطح پر ایک ایسا متوازن مزاج بنتا ہے کہ جسے مخالفتوں، مزاحمتوں اور جملہ غیر اسلامی مفادات کی آندھیوں کے جھونکے کبھی بھی متزلزل نہیں کر سکتے شرط صرف یہ ہے کہ داعی کا دل ہمیشہ زندہ و جاوید رہے۔

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز — یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے

---

۱ روداد اجتماع رامپور ص ۲۳۶ — ۲ روداد اجتماع رامپور ص ۲۶

توجہ مطلوب ہے

عبدالبر اثری فلاحی

ذمہ داران مدارس اور اساتذہ کرام سے

"عباسی خلیفہ ہارون رشید کے قاضی القضاۃ ابو یوسفؒ اپنے استاد امام ابو حنیفہؒ کی زندگی میں بیمار پڑ گئے، بیماری شدید تھی امام ابو حنیفہؒ ان کی مزاج پرسی اور عیادت کو گئے تھے۔ واپسی پر فرمایا مجھے توقع تھی کہ میرے بعد تم مسلمانوں کی خدمت کرو گے [illegible] مسند [illegible] کیا۔ وہ صحت یاب ہو کر اپنا الگ حلقہ قائم کر لیا۔ امام ابو حنیفہؒ نے [illegible] کے ذریعے قاضی ابو یوسفؒ سے پانچ مسائل کے جوابات دریافت کئے۔ قاضی ابو یوسفؒ [illegible] جواب نہ دے سکے اور اپنی غلطی محسوس کر کے امام صاحبؒ کے حلقہ میں واپس آ گئے امام صاحبؒ نے [illegible] کہا کہ ابھی مزید پختگی کی ضرورت ہے۔"

(پندرہ روزہ تعمیر حیات لکھنؤ ۲۹ ش ۴، ۱۰ دسمبر ۱۹۹۱ء ص ۹ مضمون: کاروان علم کا انحطاط

از پروفیسر سید محمد اجتباء ندوی)

اس وقت مدارس جن ناگفتہ بہ مسائل سے دوچار ہیں ان کے اسباب اور معقول حل کیلئے یہ واقعہ مختلف رہنمائیاں فراہم کرتا ہے۔ یہاں میں صرف چند پہلوؤں کے تذکرے پر اکتفا کروں گا۔

عام طور سے مدارس کے پاس باصلاحیت اساتذہ نہیں ہیں۔ جس کی وجہ سے روز افزوں انکا معیار تعلیم گرتا جا رہا ہے۔ سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ باصلاحیت افراد معاشی دوڑ میں بہتر مواقع مل جانے کی وجہ سے انہیں میسر نہیں ہو پاتے۔ لیکن یہ بات کلی طور پر صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ فارغین مدارس کی اکثریت عام طور سے تعلیم و تبلیغ کے میدان سے ہی وابستہ رہتی ہے۔ لہٰذا ان کی کارکردگی کا زیادہ اچھا اثر نظر آنا چاہئے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ آخر کیوں؟ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ طلبہ کو جب ہم علمی سلسلے سے الگ کرتے ہیں تو ہم اس کی صلاحیت پر نظر نہیں رکھتے ہیں بلکہ محض کتاب خوانی پر سند

دیدیتے ہیں حالانکہ ہونا یہ چاہیے کہ تعلیم و تبلیغ کے فریضے کی ادائیگی کیلئے جو مطلوبہ صلاحیت اس کے اندر پیدا ہونی چاہیے۔ اس کو پیدا کرنے کے بعد اس کے تعلیمی سلسلے کو ختم کرنا چاہیے اور اگر کوئی مطلوبہ صلاحیت پیدا کرنے سے پہلے اس کام میں لگ جاتا ہے۔ تو اسے حکمت کے ساتھ اس سے باز رکھتے ہوئے کمی کو دور کرنے کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ابو یوسفؒ کے سلسلے میں امام ابو حنیفہؒ کے رویے سے ہمیں رہنمائی ملتی ہے۔ اس صورت میں جہاں طالب علم کے اندر واقعی مطلوبہ صلاحیت پیدا ہوگی وہیں اس عظیم نقصان سے ہم بچ جائیں گے جو بے صلاحیت اساتذہ کی وجہ سے ہمیں اٹھانا پڑتا ہے۔

ایک فکر مندی ہمارے یہاں یہ پائی جاتی ہے کہ جب طالب علم تعلیمی سلسلہ منقطع کر کے چلا جاتا ہے تو پھر ہمارا اس سے کوئی ربط نہیں رہ جاتا ہے۔ اور نہ ہی اس کے بارے میں ہمیں کوئی فکر مندی ہوتی ہے، نہ ہم اس کے مستقبل کے بارے میں کچھ سوچتے اور کرتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ طالب علم جسے ہم نے کئی سالوں تک پوری محنت سے ایک مقصد کیلئے تیار کیا ہے آئندہ اس سے ربط نہ رکھنے اور صحیح رہنمائی نہ کرنے کی وجہ سے وہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اور ہمارا سارا کیا کرایا اکارت جاتا ہے۔ حالانکہ ہونا اس کے برعکس چاہیے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ کا اسوہ بتاتا ہے کہ طالب علم چاہے جیسا ہو اگر ہم محسوس کرتے ہیں کہ اس مرحلے میں اس کو مناسب رہنمائی کی ضرورت ہے تو ضرور کریں اور جس پہلو سے ہم کمی پاتے ہوں اس کو دور کرنے کی طرف اسے متوجہ کریں۔ تاکہ اچھے سے اچھا بن سکے اور لوگوں کیلئے مفید سے مفید تر ہو سکے۔

امید ہے کہ توجہ دی جائے گی اللہ توفیق ارزانی کرے آمین۔

بقیہ :- اداریہ

رکھنے والوں کو اپنی نعمتوں کے سدا بہار گھر جنت میں بسائے گا۔ اپنی مرضی بتانے کے لیے اس نے اپنی کتابیں اتاریں اور اپنے نبی بھیجے ہیں۔ اس کی آخری کتاب قرآن مجید اور اس کے آخری رسول کی سنت سارے انسانوں کا اثاثہ ہیں، مسلمانوں کی ملکیت نہیں۔ جس طرح سورج، چاند، ہوا اور پانی سب کے لیے ہیں، اسی طرح یہ قرآن و سنت سب کیلئے ہیں۔ آئیے کم از کم ایک بار تو ہم اس کا مطالعہ کریں اور اس سے اپنے مسائل کا حل پوچھیں۔

غزل

عروج پر آئی مادیت، مذاق بدلا ہے زندگی کا
خدا سے باغی ہوا ہے انساں غلام لیکن ہے آدمی کا

مرا نشیمن جلانے والو جلائے جاؤ گلہ نہیں ہے
چمن کی تاریکیوں میں پنہاں کوئی تو پہلو ہے روشنی کا

نہ جانے اہل چمن کے دل کو الٰہی کیسی یہ ٹھیس پہنچی
تڑپ کے آنکھوں میں اشک آئے کسی نے پوچھا جو حال جی کا

وہ صحن گلشن ہو یا قفس ہو خدا کا گھر ہو یا بتکدہ ہو
بلائیں سایہ فگن ہیں ہر سو کہیں ٹھکانہ نہیں کسی کا

شعور تک بھی نہیں ہے جنکو انھیں کو ساقی پلا رہا ہے
ہے انکی قسمت میں تشنہ کامی جنھیں سلیقہ ہے میکشی کا

ہر ایک مشکل میں ہنس کے جینا جو سیکھ لے آدمی وہی ہے
غم جہاں سے جو چیخ اٹھے مذاق اڑاتا ہے زندگی کا

لبوں پہ آہ و فغاں نہیں ہے مگر دلوں میں چھپے ہیں نشتر
یہ راز ہم کو بتا رہا ہے اداس چہروں کا رنگ پھیکا

—— شفیع اللہ خاں راز اٹاوی

اقدام امت کانفرنس کی قراردادیں

طلبہ و نوجوانوں کی ملک گیر آزاد تنظیم ایس. آئی. ایم. کی طرف سے ۲۳ تا ۲۵ دسمبر ۱۹۹۱ء کو باندرہ بمبئی میں رجوع الی اللہ، دعوت الی اللہ، جہاد فی سبیل اللہ، کی بنیادوں پر کل ہند "اقدام امت کانفرنس" منعقد ہوئی جس میں ہزاروں طلبہ نے شرکت کی۔ ذیل میں اسکے اندر منظور کی گئیں قراردادیں دی جارہی ہیں۔ واضح رہے کہ اس وقت اسکی قیادت جامعۃ الفلاح بلریا گنج کے ایک سپوت محترم حافظ محمد مصطفیٰ فلاحی صاحب کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

۱۔ بابری مسجد

یہ عظیم الشان کانفرنس مرکزی حکومت پر یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ بابری مسجد مسجد ہے اور مسجد رہے گی اور مسلمان مسجد سے کم کسی بات پر راضی نہیں ہوں گے۔ اگر حکومت نا انصافی، ظلم، جبر سے مسلمانوں کو اس حق سے محروم کرنا چاہے گی تو ان شاء اللہ مسلمان اپنے خون سے ایک نئی تاریخ رقم کریں گے۔

مسلم طلبہ و نوجوانوں کا یہ عظیم اجلاس مسلم پرسنل لا بورڈ کے دسویں اجلاس کے موقع پر بابری مسجد سے متعلق پاس کی گئی قرارداد کی پرزور تائید کرتا ہے۔

۲۔ مسلم کش فسادات

مسلمانوں کا یہ عظیم الشان اجلاس مسلمانوں کی نسل کشی پر اپنی سخت برہمی کا اظہار کرتا ہے اور مسلمانوں کا یہ احساس بلکہ یقین ہے کہ ان مسلم کش فسادات کے لئے حکومت، عدلیہ اور فرقہ پرست عناصر برابر کے ذمہ دار ہیں۔ اگر حکومت نے اپنا رویہ تبدیل نہیں کیا تو اس کو معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان فساد کے بعد امداد کے نام پر برسنے والے چند ٹکڑوں اور عدالتی انکوائری کے نام پر ہونے والے تماشے کو زیادہ دنوں تک برداشت نہیں کرے گا بلکہ اللہ کی نصرت کے سہارے خود اپنے دفاع کے انتظام کے لئے اٹھ کھڑا ہوگا۔ یہ کانفرنس تمام مسلمانوں سے اپیل کرتی ہے

[...] صبر و عزیمت کی راہ اختیار کریں اقدام اور دفاع کی مشترک حکمت عملی اپنائیں۔

۳۔ کشمیر

وادی کشمیر جو کبھی جنت ارضی کا نمونہ تھی آج جل رہی ہے ظلم و جبر کا ننگا ناچ ہو رہا ہے۔ اور سیکولرازم کا بادہ اوڑھنے والے سیاسی لیڈر اور امن و آشتی اور عدل و انصاف کا نعرہ لگانے والے مذہبی رہنما خاموش ہیں کوئی اپنے اندر یہ جرأت نہیں پاتا کہ اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرے کس قدر بے بس ہیں دنیا کے سب سے بڑے جمہوری ملک کے باشندے اور کس قدر منافق ہے اس سیکولر جمہوری ملک کی حکومت۔

مسلم طلبہ اور نوجوانوں کا یہ عظیم الشان اجلاس مرکزی حکومت کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ کشمیر میں [...] فوجی تشدد بند کر دے اور کشمیری مسلمانوں کی اخلاقی حمایت کرنے والے افراد کو ڈرانے دھمکانے سے باز آئے۔ کشمیر کے مسلمان اس امت مسلمہ کا ایک حصہ ہیں جو پوری دنیا میں کروڑوں کی تعداد میں پائی جاتی ہے۔

"اقدام امت کانفرنس" حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ ایسے عادلانہ اور منصفانہ حل پر راضی ہو جائے جو کشمیر کے مسلمانوں کے جذبات کے مطابق ہو اور اقوام عالم کے سامنے اپنی [...] کا مزید سامان نہ کرے۔

۴۔ تعلیم

موجودہ نظام تعلیم ظلم پر مبنی ہے اور اس پر ایک مخصوص طبقہ کی اجارہ داری ہے ملک کی اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی کی جا رہی ہے۔ شری [...] کی حالیہ رپورٹ نے مسلمانوں کی جو صورتحال پیش کی ہے وہ حکومت ہند کے ظلم کا منہ بولتا اور [...] ثبوت ہے۔ اس نظام تعلیم کے ذریعہ مسلم طلبہ کو ان کے دینی تہذیب سے دور کرنے اور [...] احساس کو مٹانے کی کوششیں ہو رہی ہیں اور مسلمانوں کے اداروں کو چھین لینے کی کوشش [...] کون واقف نہیں ہے۔

مسلم طلبہ کا یہ عظیم الشان اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس تعلیمی پالیسی کے [...] مسلمانوں کو کمزور اور غلام بنانے کی سازش سے باز آجائے۔ اور مسلمانوں کی تعلیمی خود مختاری [...] تسلیم کرے۔ ہم اپنے عقیدہ و ایمان کے مطابق نصاب تعلیم تشکیل دیں اور حکومت ان کا خرچ [...]

برداشت کرے۔ کیونکہ یہ ہمارا بنیادی حق ہے۔

۵۔ اوقاف

امت مسلمہ کی معیشت کے تمام سرچشموں کو بند کرنے کی جو سازش رچی گئی ہے اور صنعت وحرفت کے میدانوں میں جو استبدادی سوچ کارفرما ہے اس سے ہر صاحب نظر واقف ہے مگر مسلم اوقاف پر حکومت کا جابرانہ تسلط مسلم مفاد پرستوں کے ایک ٹولہ کی جانب سے اس کا بے رحمانہ غلط استعمال ایک بڑے ملی اثاثے کی تباہی کا سبب ہے۔ جسے کسی بھی طور پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اقدام امت کانفرنس علماء کرام اور دینی قیادت سے اپیل کرتا ہے کہ ملی اوقاف کو لٹیروں کے چنگل سے نکالنے اور صحیح بنیادوں پر اس کی تنظیم نو کے لئے نقشہ کار ترتیب دیں۔

۶۔ افغانستان

افغان مجاہدین کی سرفروشانہ جدوجہد اور جذبہ جہاد نے نہ صرف اپنی سرزمین کے تحفظ کی غیرت مندانہ روایت قائم کی ہے بلکہ ایک بڑے سامراج کو شکست وریخت سے دوچار کرکے مجبور ومظلوم مسلم ریاستوں کو حریت وآزادی کی راہ دکھائی ہے۔ مگر امریکہ اس جہاد اور اس کے نتائج کو سبوتاژ کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے اور اس مقصد کے لئے پوری دنیا میں بساط شیطنت بچھا رکھی ہے۔ شرکاء کانفرنس اپنے افغان بھائیوں کے جذبۂ جہاد کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور یکجہتی اور خیر سگالی کے اظہار کے ساتھ دعا گو ہیں کہ ان شہادتوں اور قربانیوں کے صلہ میں اللہ تعالیٰ انہیں احیاء خلافت کی سعادت نصیب فرمائے۔

۷۔ روس کی مسلم جمہوریائیں

ایک طویل دور غلامی کے بعد روس کی تباہی کے نتیجہ میں مسلم جمہوریاؤں کی آزادی کو ہم خوش آمدید کہتے ہیں۔ توقع ہے وہ اپنے تشخص کو بازیافت کر سکیں گے جبکہ ہم محسوس کر رہے ہیں کہ امریکی شیطنت کے منفی اثرات روس مسلم جمہوریاؤں میں بھی نظر آنے لگے ہیں۔ یلتسن کی سربراہی میں نیو کامن ویلتھ (new comon weath) کی تشکیل اور نیوکلیئر پراجیکٹ اور ایٹمی توانائی کے مرکز بالخصوص قازقستان کو اس میں شامل کرنا ایک گہری سازش کا حصہ ہے۔

۸۔ فلسطین

قبلۂ اول کی بازیابی اور سرزمین فلسطین پر ملک کے اصل باشندوں

بقیہ ص ۴۸ پر

ابوالعلم فلاحی کے قلم سے

اخبار علمیہ

اسلامی مخطوطات کے تحفظ کا عالمی منصوبہ

سعودی عرب کے سابق وزیر برائے پٹرولیم شیخ احمد زکی یمانی نے تاریخی اسلامی مخطوطات کے تحفظ اور ان کی طباعت کے لئے ایک اسکیم کا اعلان کیا ہے اور اس مقصد کی خاطر یہاں الفرقان اسلامی ہیریٹیج فاؤنڈیشن کا مالی تعاون کیا ہے۔ ۳۰ [illegible] ۱۹۹۱ء کو اس اسکیم کے افتتاحی اجلاس میں شیخ زکی یمانی نے بتایا کہ موجودہ چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں تقریباً دو کروڑ کتب مخطوطات کی شکل میں لکھی گئیں جو عربی، فارسی، اردو، سواحلی، ملائی، ترکی اور دوسری زبانوں میں ہیں ان عظیم تحریری ورثہ کو دنیا کے مختلف حصوں میں سماجی وسیاسی تبدیلی کی بنا پر خطرہ لاحق ہے انہوں نے بتایا کہ الفرقان فاؤنڈیشن پہلے برس کو ان مخطوطات کے تحفظ اور ان کی فہرست سازی کی کوشش میں صرف کرے گا اس کے لئے اہم ممالک کا انتخاب کیا گیا ہے جن میں اسلامی ممالک کے علاوہ ہندوستان، چین وروس جیسے بڑی مسلم اقلیت والے ممالک بھی شامل ہوں گے۔

(روزنامہ قومی آواز لکھنؤ ۲۳ دسمبر ۱۹۹۱ء)

اردو انسائیکلوپیڈیا کی اشاعت آخری مرحلہ میں

[illegible] کی طرز پر مرتب کردہ اور "مخزن العلوم" کے نام سے موسوم بارہ جلدوں [illegible] کے کلیدی مضامین کے چار حصے طباعت کے آخری مراحل میں داخل ہو چکے ہیں [illegible] تمام موضوعات پر وسیع اور جامع معلومات فراہم کریں گے۔ [illegible] حروف تہجی کی ترتیب [illegible] طریقہ پر مختلف علوم، مختلف عالمی اور ملکی زبانوں کے ارتقاء ادب کی تاریخ، تاریخ عالم [illegible] فنون لطیفہ، قوانین اقتصادیات اور صحافت وغیرہ پر مفصل ابواب شامل ہیں اردو زبان وادب کے ارتقاء ہندوستان اور خصوصاً مسلمانوں کے متعلق امور اور موضوعات کی بہتر تفہیم کے لئے

رنگین تصاویر، خاکوں، ڈائیگراموں اور کارٹوگرافی کا سہارا لیا گیا ہے۔

زیر اشاعت "مخزن علوم" کی ترتیب کا خیال ڈاکٹر عابد حسین مرحوم اور ترقی اردو بیورو کے سابق سربراہان پروفیسر مجیب مرحوم اور پروفیسر عبد العلیم نے پیش کیا تھا اٹھارہ برس قبل مرکزی وزارت تعلیم وثقافت کے ماتحت ترقی اردو بیورو نے عملی جامہ پہنانے کا بیڑا اٹھایا تھا حیدرآباد میں اردو کی ممتاز اور منفرد حیثیت کی بنا پر یہاں کے ادارے مولانا ابوالکلام آزاد اورینٹل انسٹی ٹیوٹ کو اس کی ترتیب و تدوین کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ انسٹیٹیوٹ نے مقررہ مدت یعنی ۱۹۸۱ء میں یہ کام سرانجام دیدیا تھا مگر کچھ مسائل کی وجہ سے اس کی اشاعت تعطل کا شکار ہوگئی تھی۔

(سہ روزہ دعوت دہلی ۱۳ دسمبر ۱۹۹۱ء ص۲)

سیرت نبوی پر معلوماتی بینک قاہرہ میں مجلس اعلی برائے امور دینیہ نے سیرت نبوی پر ایک معلوماتی بینک قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے جو سیرت نبوی کے سلسلے میں ہر طرح کے مراجع و مصادر، مقالات ومضامین اور تحقیقات ومخطوطات پر مشتمل ہوگا۔ واضح رہے کہ اس مجلس کے تحت "مرکز سیرت نبوی" کئی سالوں سے سیرت نبوی سے متعلق اہم مراجع اور مخطوطات کی فراہمی اور ان کی تحقیق کا کام کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں اس نے بہت سی تحقیقات شائع کی ہیں اور مقابلے بھی کرائے ہیں۔

(پندرہ روزہ "الداعی" ۱-۱۵ دسمبر ۱۹۹۱ء ص۱۲)

اقلیتی تعلیمی اداروں کے مسائل کا سروے اقلیتی کمیشن کی جانب سے اقلیتوں کے زیر انتظام تعلیمی اداروں کے معاشی و دیگر مسائل کا سروے کیا جا رہا ہے اس سروے کی ذمہ داری کمیشن نے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن کو سونپی ہے۔ انسٹی ٹیوٹ کے پروجیکٹ ڈائرکٹر آر۔ این ہلکارا نے اپنے ایک اعلامیہ میں تمام اقلیتی تعلیمی اداروں سے گذارش کی ہے کہ مذکورہ ادارے سوالنامہ حاصل کریں اور مطلوبہ معلومات ادارے کو فراہم کریں جس کا پتہ درج ذیل ہے۔

ڈاکٹر آر۔ این ہلکارا انڈین انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن اندر پرستھا اسٹیٹ
رنگ روڈ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

(سہ روزہ "دعوت" دہلی ۵ دسمبر ۱۹۹۱ء ص۷)

محمد طاہر عمری مدنی

تعارف وتبصرہ

ماہنامہ "راہ اعتدال"

قیمت فی شمارہ ۵/ روپئے
سالانہ زر تعاون ۵۰/ روپئے

ایڈیٹر: ابوالبیان حماد عمری — صفحات ۴۸
جلد ۱ شمارہ ۱ نومبر ۹۱ء جمادی الاول ۱۴۱۲ھ

پتہ: منیجر جمعیت ابنائے قدیم۔ جامعہ دارالسلام عمرآباد — 635808۔

جمعیت ابنائے قدیم جامعہ دارالسلام عمرآباد کے ترجمان "راہ اعتدال" کا پہلا شمارہ نومبر ۱۹۹۱ء میں منظر عام پر آیا ہے۔ جامعہ دارالسلام عمرآباد جنوبی ہند کا ایک مشہور ومعروف ادارہ ہے۔ جس کی خدمات محتاج تعارف نہیں اس اہم ادارے کے فارغین "جمعیت ابنائے قدیم" کے نام سے منظم انداز میں دعوت واصلاح کا کام انجام دے رہے ہیں۔ ایک طویل عرصہ سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ جمعیت کا ایک آرگن ہو جو اس کے مقاصد میں معاون ثابت ہو۔ الحمد للہ یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی اور استاذ محترم مولانا ابوالبیان حماد صاحب کی زیر ادارت نومبر ۱۹۹۱ء میں "راہ اعتدال" کے نام سے جمعیت ابنائے قدیم کا ترجمان منظر عام پر آگیا۔

اس وقت قلم کے ذریعہ جو جہاد کی کوششیں ہو رہی ہیں اس میں یہ رسالہ ایک مبارک اضافہ ہے۔ اس کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی عمری نے "حرف اعتدال" میں واضح کیا ہے کہ "ہم نے افراط وتفریط کی منزلوں سے دامن کو بچاتے ہوئے مسلک اعتدال کو اپنانے کا عزم کیا ہے۔ اللہ تعالٰی ہمیں اس راہ میں ثابت قدم رکھے۔ اس وقت اردو زبان میں علمی، ادبی اور تحقیقی مجلوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ لیکن ہماری یہ کوشش ہوگی کہ ہمارا یہ مجلہ زیادہ تر دینی اور دعوتی قسم کے مضامین پر مشتمل ہو۔"

تحریک اسلامی کے اہم رہنما اور مشہور مصنف مولانا سید جلال الدین عمری صاحب سکریٹری ادارہ

تحقیق و تصنیف علی گڑھ اپنے پیغام میں رقمطراز ہیں: "یہ بھی ایک حسن اتفاق ہے کہ مجلہ کے لئے "راہ اعتدال" کا نام منتخب ہوا۔ جس سے مجلہ ہی کی نہیں خود جامعہ کے مقصد تاسیس کی بھی ترجمانی ہوتی ہے۔ کوشش ہونی چاہئے کہ یہ مقصد ہماری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے اور مجلہ اس کا صحیح ترجمان بن کر ابھرے۔"

اس شمارے میں درس قرآن اور درس حدیث کے علاوہ درج ذیل مضامین شامل ہیں۔

جامعہ دارالسلام عمرآباد اور سید سلیمان ندوی	از محمد عارف اعظمی عمری
اسلام کا درس عزیمت	، مولانا ابوالبیان حماد عمری
انبیاء کا طرز خطاب	، محمد ثناء اللہ عمری
مولانا آزاد سے میری پہلی ملاقات	، مولانا ابوعلی اثری
رات دن گردش میں ہے سات آسمان	، مولانا صفی الرحمن مبارکپوری
اسلام میں آداب اختلاف	، شیخ محمد عبید حسنہ ترجمہ۔ مولانا حفظ الرحمن عمری۔

مضامین کے عناوین ہی سے تنوع اور اہمیت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آخر میں راہ اعتدال کے عنوان سے مولانا ابوالبیان حماد عمری کی ایک بہترین نظم شامل اشاعت ہے۔ جس کا یہ شعر امت کے لئے ایک اہم پیغام کا حامل ہے۔

قافلہ پہنچے گا اپنی منزل مقصود پر
شرط بس یہ ہے کہ وہ چھوٹے نہ "راہ اعتدال"

"راہ اعتدال" اردو قارئین کے لئے ایک بہترین تحفہ اور طلبہ و نوجوانوں کے لئے دینی معلومات کا ایک قیمتی خزانہ ہے۔ امید ہے کہ اس کی قدر کی جائے گی۔

ضروری اعلان

تمام ہی خریداروں سے گذارش ہے کہ اپنے بقایاجات فوراً روانہ فرمائیں۔ بصورت دیگر آئندہ سے پرچے کی ترسیل بند کردی جائے گی۔ خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

مینیجر۔

محمد اسمٰعیل فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

سالانہ امتحان

کتنے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو وقت کی قدر کرتے اور ہر لمحہ اس کی فکر میں رہتے ہیں کہ کوئی لمحہ ضائع نہ ہونے پائے۔ وقت بھی کیسا سبک رو اور تیز گام ہے، مسلسل چلتا رہتا اور گزرتا رہتا ہے۔ نہ کوئی وقفہ ہے اور نہ کوئی اسٹیشن، پھر بھی تھکتا نہیں۔ سردی، گرمی، بہار، برسات، کسی چیز کا اس پر کوئی اثر نہیں۔ سونے والوں کا انتظار نہیں کرتا، وہ آگے بڑھ جاتا ہے اور یہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس کی برق رفتاری کی اس سے بڑی اور کیا دلیل کہ ۱۹۹۱-۹۲ء کا یہ تعلیمی سال بھی اب ختم ہونے کو ہے۔ سوئے ہوئے بیدار ہو چکے ہیں اور کھیلنے والوں کے ہاتھوں میں بھی کتابیں آگئی ہیں۔ سب کی نگاہیں سالانہ امتحان پر مرکوز ہیں، جو ۴ شعبان ۱۴۱۲ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۹۲ء بروز یکشنبہ شروع ہو کر ۱۹ شعبان ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۴ فروری ۱۹۹۲ء بروز دوشنبہ ختم ہوگا۔ یکم شعبان (۶ فروری) پنجشنبہ اس سیشن کا آخری تعلیمی دن ہوگا۔ طلبہ ۱۹ شعبان (۲۴ فروری) کو امتحان دینے کے بعد گھروں کے لئے روانہ ہو سکیں گے۔ اساتذہ ۲۰ تا ۲۲ شعبان (۲۵ تا ۲۷ فروری) امتحانی کاپیاں جانچیں گے اور نتائج کی تیاری میں تعاون کریں گے۔ تعطیلات ۲۳ شعبان ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۹ فروری ۱۹۹۲ء شنبہ سے شروع ہو کر ۷ شوال مطابق ۱۱ اپریل شنبہ کو ختم ہوگی۔ ۸ شوال ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۹۲ء یکشنبہ سے نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوگا۔ انشاء اللہ۔

وفد انجمن اقدام امت کانفرنس میں

۲۳، ۲۴، اور ۲۵ دسمبر ۱۹۹۱ء باندرہ، بمبئی میں ہونے والی اقدام امت کانفرنس میں

مولانا اظہار احمد فلاحی خازن انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کی سرپرستی میں ایک وفد شریک ہوا۔ اس کانفرنس میں طلبہ کی ایک بھاری تعداد کے علاوہ متعدد اساتذہ بھی شریک ہوئے۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ۲۴؍دسمبر ۹۱ء بعد عصر یوپی کے کیمپ نمبر ۲ میں اجلاس میں شریک فلاحیوں کی ایک میٹنگ بھی ہوئی۔ باہمی تعارف کے بعد حیات نو کی توسیع کے سلسلہ میں گفتگو رہی، بمبئی یونٹ سے وابستہ فلاحیوں نے شہر میں توسیع کا پروگرام بنایا، اور کانفرنس کے بعد یہ پروگرام بڑی حد تک کامیاب رہا۔ لوگوں کے اندر حیات نو کی پیاس محسوس ہوئی۔ لوگوں نے تعاون کیا تعاون دلایا اور ساتھ ہی اس خواہش کا اظہار کیا — اور یہ خواہش بالکل بجا ہے کہ یہ پابندی سے نکلا کرے، بند نہ ہو اور تاخیر سے نہ پہونچے۔

اکتوبر ۹۱ء کے آخر میں یا ۹۲ء کے شروع میں ہونے والے انجمن کے اجلاس عمومی کی تاریخ اور پروگرام وغیرہ کے سلسلہ میں مشورے ہوئے۔ فارم معلومات برائے طلبہ قدیم، جو سکریٹری انجمن نے طبع کرا کے بھیجا تھا، تقسیم کیا گیا۔

اس میٹنگ میں نائب ناظم جامعہ مولانا ابوالبقاء صاحب ندوی نگران اعلیٰ مولانا محمد طاہر صاحب عمری بھی شریک تھے۔ محترم نائب ناظم جامعہ نے فرمایا کہ ہم جامعہ میں طلبہ کو ٹائپنگ سکھانے کے لئے ایک سنٹر کھولنا چاہتے ہیں اور ٹائپ رائٹر کی فراہمی ہمارے یہاں آنے کا مقصد ہے فلاحیوں نے اپنے تعاون کا یقین دلایا اور کچھ ٹائپ رائٹر حاصل بھی ہو چکے ہیں۔

اس موقع پر بعض فلاحی بھائیوں نے نائب ناظم جامعہ کو مشورہ دیا کہ شعبان میں اور سال کے دوسرے دنوں میں جامعہ کا تعارف اخبارات وغیرہ میں شائع ہوا کرے اور وقتاً فوقتاً اہم مقامات پر جامعہ کے معزز اساتذہ کرام کے دعوتی پروگرام کا اہتمام کیا جائے۔ اس مشورے کو نائب ناظم جامعہ نے پسند فرمایا۔

صدر ایس آئی او کا خطاب

۱۸؍دسمبر ۹۱ء کو ایس آئی او کے صدر جناب عبدالجبار صدیقی صاحب جامعۃ الفلاح تشریف لائے۔ دوسرے دن طلبہ جامعہ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ میری خواہش تھی کہ اس جامعہ کو دیکھوں جہاں ملک وملت کے رہنما تیار کئے جارہے ہیں

اور طلبہ و اساتذہ سے ملاقاتیں کروں۔ جس جامعہ میں آپ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، یہاں صدیق و فاروق اور علی و خالد بننے کے مواقع زیادہ ہیں۔ سیکولر اداروں میں ڈارون کا انسان تو بن سکتا ہے لیکن حضورؐ کا مرد مومن بننا مشکل ہے۔ آپ کو اس موقع کو غنیمت سمجھ کر اپنی شخصیت کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ہم جامعۃ الفلاح سے یہ چاہتے ہیں کہ احیائے اسلام کی جدو جہد میں مختلف محاذوں پر جس قیادت کی ضرورت ہے، وہ قیادت یہ جامعہ فراہم کرے۔ فکری طور پر طلبہ جامعہ اپنے کو اتنا بلند کریں اور اتنا مطالعہ کریں کہ وہ ہر مسئلہ میں رہنمائی کر سکیں یہاں جیسے افراد ہوں گے ان کا اثر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ اور جامعہ ملیہ دہلی پر پڑے گا اور پھر علیگڑھ اور دہلی کا اثر پورے ہندوستان پر پڑے گا۔

موصوف نے فرمایا یہ ملک اخلاق و کردار، تعلیم، سیاست، معیشت ہر پہلو سے دیوالیہ ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود یہاں کے عوام امن پسند اور حق پسند ہیں۔ تھوڑے سے افراد ہیں جو پورے پانی کو گندہ کئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ گہرائی میں اتر کر جائزہ لیں گے تو بے شمار افراد ایسے ملیں گے جو آپ کی بات سننا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے ہم تحریک اسلامی کے افراد جدوجہد کر رہے ہیں لیکن خوابوں کی بنیاد پر کامیابی نہیں مل سکتی، اس کے لئے ہمیں وہ سارے طریقے اختیار کرنے ہوں گے جو دعوت کے لئے ضروری ہیں اور ان سارے مراحل سے گزرنا ہوگا جو اس راہ کے لئے ناگزیر ہیں، یہاں کوئی شارٹ کٹ نہیں ہے۔

معتمد مدارس و مکاتب کا تقرر

۱:- جامعۃ الفلاح سے ملحقہ مدارس و مکاتب کی ایک معتد بہ تعداد ہے اور بہت سے دوسرے الحاق کے خواہش مند ہیں۔ ان سے مستقل ربط رکھنا، انھیں مناسب مشورے دینا، ان کے نظام تعلیم و تربیت کو بہتر کرنا اور اوپر اٹھانا اور اسی طرح کے بعض دوسرے امور اس بات کے متقاضی تھے کہ ایک مستقل شعبہ اس کام کے لئے مختص ہو۔ ذمہ داران جامعہ نے اسی اہمیت کے پیش نظر مولانا صباح الدین ملک فلاحی قاسمی کی خدمات بحیثیت معتمد مدارس و مکاتب حاصل کر لی ہیں۔ موصوف نربٹ لوادہ،

کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے جامعہ پہونچ کر اپنی ذمہ داری سنبھال لی ہے۔

انعامی مقابلے

قارئین کو یہ بات معلوم ہے کہ جامعہ کے طلبہ کی انجمن جمعیۃ الطلبہ بہت سے پروگرام چلاتی ہے۔ اردو، عربی اور انگریزی کے ہفتہ وار تقریری اور تحریری پروگرام اس کے تحت ہوتے ہیں۔ کھیل کود اور ورزش کا اہتمام بھی اس کے پروگرام میں شامل ہے۔ سال کے اختتام پر وہ انعامی مقابلہ کا بھی اہتمام کرتی ہے۔ اس سال بھی اردو، عربی اور انگریزی زبانوں میں تقریر کے مقابلوں کے علاوہ تجوید اور کھیل کود کے مقابلے بھی کرائے گئے ہیں۔ ان مقابلوں میں اول، دوم اور سوم آنے والوں کے ساتھ دوسرے نمایاں طلبہ کو بھی تشجیعی انعامات دیے جائیں گے۔ انشاء اللہ

برادر فیضان احمد فلاحی کو صدمہ

جامعہ میں یہ خبر افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ چھوپور، اعظم گڈھ کے رہنے والے برادر فیضان احمد فلاحی لکچرر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے والد محترم جناب توحید احمد صاحب گزشتہ دنوں انتقال فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کی لغزشوں کو معاف فرمائے، جنت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

بقیہ:- اقدام امت

کی بازیابی امت مسلمہ کا اہم مقصد ہے۔ آزادی فلسطین کی خاطر ہونے والا جہاد امت کی جانب سے فرض کفایہ کی حیثیت رکھتا ہے اور اس جہاد سے کوئی مسلمان اپنے کو الگ نہیں کر سکتا۔

ہندوستان کے طلبہ اور نوجوانوں کا یہ اہم اجلاس ان شہداء، اور مجاہدین بھائیوں کی سرخروئی اور سلامتی کی دعا کرتے ہوئے امریکہ فریب پر اپنے شدید رد عمل کا اظہار کرتا ہے۔ صہیونیت کی نسل پرست حکومت کے بارے پر اقوام متحدہ کی قرارداد کو منسوخ کرنا اور بعض عرب جمہوریاؤں کا اس کے حق میں ووٹ دینا انتہائی قابل مذمت اور شرمناک ہے۔ اسی طرح فلسطین کی جدوجہد آزادی کو اسلامی سرحد کانفرنس میں جہاد سے تعبیر کرنے پر اعتراض اور مریم انتہائی نقصان آمیز عمل ہے یہ اجلاس اس توقع کا اظہار کرتا ہے کہ دین دار اور اسلام پسند نیشنل امریکہ اور منافق حکمرانوں کا ٹھیک وقت احتساب کریگا۔

"قائد تحریک اسلامی ہند نمبر" کا دوسرا ایڈیشن

مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی ندوی کے حالات زندگی اور خدمات پر مشتمل "حیات نو" کی خصوصی پیشکش "قائد تحریک اسلامی ہند نمبر" ضروری تصحیح کے بعد دوبارہ منظر عام پر آچکا ہے۔ خواہش مند حضرات جلد رابطہ قائم کریں۔

قیمت: ۱۵ روپیہ

"مولانا سید حامد حسین نمبر"

ماہنامہ "حیات نو" کی خصوصی پیشکش "مولانا سید حامد حسین" نمبر کے کچھ شمارے دفتر میں موجود ہیں۔ خواہشمند حضرات اس کی قیمت ۶ روپے بھیج کر حاصل کر سکتے ہیں۔

شرح اشتہارات

آخری صفحہ ٹائٹل	۱۰۰۰
اندرونی صفحہ ٹائٹل	۶۰۰
آخری صفحہ ٹائٹل (اندرونی)	۶۰۰
پورا صفحہ اندرونی	۵۰۰
نصف صفحہ "	۲۵۰
چوتھائی صفحہ "	۱۵۰

پتہ: منیجر "حیات نو" جامعۃ الفلاح، بلریا گنج اعظم گڈھ یوپی ۲۷۶۱۲۱